سمیعہ زریں عباسی

وہ ہمراہی میرا ہمسفر ٹھہرا

موسم بہت بدل گیا تھا۔ خشک ہوا کے ساتھ ڈھیروں ڈھیر پتے بکھرتے اور سرِ شام ہی اندھیرا چھا جاتا۔ آسمان پر ہمہ وقت ایک غُبار چھایا رہتا جس میں نقل مکانی کرتے پرندے دکھائی دینے لگے تھے۔ ایسے میں ٹنڈ منڈ درختوں پر ٹنگے جھاڑ جھنکار بے مکین گھونسلے بڑے آزردہ سے نظر آتے۔

مکمل ناول

بڑی دلگرفتگی سے دیکھتے ہوئے اُس نے دوزانوں کے گرد بازو لپیٹ کر پیشانی گھٹنوں پر ٹکادی اور کونے میں ایستادہ سرپیچ کی بیل کو تکنے لگی۔

''کیا کروں! اے خُدا! کس طرح؟ کس طرح بھولوں اور کس طرح سمجھوتہ کروں ان حالات سے جو مجھے درپیش ہیں؟'' اُس کی آنکھوں میں اک ننھا سا ستارہ اُبھر آیا تھا۔ اُس نے زور سے آنکھیں میچ کر بے بسی سے نمو پا کر وجود میں آنے والے سارے آنسوؤں کو اندر اُتار لیا اور سر اُٹھا کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔

''اُسے حقیقت بتانا بہت ضروری ہے۔ مگر میں کیوں خوفزدہ ہوں؟ کیوں سچائی کو چھپانا چاہ رہی ہوں؟ کیا مجھے ڈر ہے کہ وہ حقیقت جاننے کے بعد مجھ سے دور ہو جائے گا؟ تو کیا مجھے سلمان شاہ سے...!'' وہ بڑی دیر تک وہیں کھڑی خشک پتوں کے بکھرنے کا شور سنتی رہی' یہاں تک کے مختلف مساجد سے اذان کی آواز بلند ہونے لگی۔

''نجانے یہ زندگی اب میرے ساتھ مزید کیا کیا کھیل کھیلے گی۔'' اُس نے سوچا اور اُلجھتے ذہن اور شکستہ دل کے ساتھ اندر چلی آئی۔ پریشانی اور مایوسی بھرے دن رات میں کس قدر گھٹن ہوتی ہے اور کتنا کٹھن ہوتا ہے خود کو پُر اُمید رکھنا اور وہ یہ کٹھن کام کر رہی تھی۔ تب ہی تو جئے چلی جا رہی تھی' ورنہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ اِدھر مایوسی کی حد ہوتی ہے' اُدھر زندگی آنکھیں موند لیتی ہے۔ دماغ سے اُٹھنے والے ناپسندیدہ خیالات کو دل نے ڈھارس دے کھی تھی۔ ایک وہی تو تھا جہاں تاریکیوں میں اُمید کا جگنو روشن تھا۔

☆☆☆

مناہل تو چوہدری اسد اللہ خان کی اکلوتی اولاد تھی۔ مگر اسد اللہ خان سے چھوٹے سرمد اللہ خان کے تین بیٹے تھے۔ شہباز، ارباز اور اعجاز بالترتیب۔ اِن تینوں نے تو بڑوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کم عمری میں ہی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا تھا اور اب زمینوں کو بڑی خوش اسلوبی سے سنبھالے ہوئے تھے۔ مگر مناہل کو پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ مگر اُس کے شوق کی گھر میں کسی کو بھی خاص پرواہ نہیں تھی۔ ایک تو گاؤں میں اسکول ہی میٹرک تک تھا دوسرا چاچا، چاچی بھی لڑکیوں کو زیادہ پڑھانے کے حق میں نہ تھے۔ مگر جب اُس نے میٹرک بورڈ میں پہلی پوزیشن لی تو اُس کے شوق کو دیکھتے ہوئے بابا جان نے اپنے بھائی اور بھتیجوں کی ناراضگی مول لے کر اُسے مزید پڑھنے شہر بھیج دیا۔ مناہل کا بہت جلد شہر میں دل لگ گیا تھا۔ پھر جب کالج میں اُس کا ایڈمشن ہوا تو اُس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ آدھی آدھی رات تک وہ محض شوق کے مارے پڑھتی رہتی۔ اِسی شوق کی بناء پر وہ بہت جلد کالج میں بھی اساتذہ اور لڑکیوں کی نظر میں آ گئی۔ حالانکہ وہاں وہ ضرورت کے بغیر کسی سے بات تک نہیں کرتی تھی۔ بلکہ حقیقت یہ تھی کہ اُسے کسی کو مخاطب کرنا بے حد مشکل لگتا تھا۔ وہ اب تک گاؤں کے بہت سادہ اور مختلف ماحول میں رہی تھی۔ اِس لئے اُسے یہاں کا ماحول بہت عجیب لگتا تھا اور خواہش رکھنے کے باوجود وہ کسی لڑکی کو دوست نہیں بنا پائی تھی۔

شروع شروع میں چند ایک لڑکیوں نے اُس کے قریب آنے کی کوشش بھی کی۔ مگر اُس کی ضرورت سے زیادہ کم گوئی اور ریزرو طبیعت سے اُکتا کر وہ آگے بڑھ گئیں۔ مناہل کو خود بھی اپنی طبیعت کا اندازہ تھا مگر وہ مجبور تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ شاید شانزے کے علاوہ کسی اور لڑکی کو دوست نہ بنا سکی۔ شانزے اُس کی کلاس فیلو کے ساتھ ساتھ روم میٹ بھی تھی۔ شوخ اور پُر اعتماد سی شانزے وہ لڑکی تھی جس نے مناہل کو اِس بڑے اجنبی شہر میں سنبھالا تھا۔ اور دوستی میں پہل کر کے باقاعدہ دوستی کا آغاز کر دیا۔ جسے مناہل نے بڑے خلوص کے ساتھ قبول کر لیا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی دوستی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔ حالانکہ دونوں میں کوئی بھی قدر مشترک نہ تھی۔ مناہل جتنی ڈرپوک اور ریزروڈ تھی شانزے اُتنی ہی سوشل اور بولڈ تھی۔ لڑکیاں حیرت سے اِن دونوں کو دیکھتی تھیں۔ کیونکہ ایک مشرق تھی تو دوسری مغرب۔ مگر لڑکیوں کی حیرت کا ان دونوں کی دوستی پر کبھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اور مناہل کو احساس تھا کہ اِن دونوں کی دوستی جو دن بدن گہری ہو رہی ہے۔ اس میں خود مناہل سے زیادہ شانزے کا ہاتھ تھا۔ ورنہ اِتنی مختلف طبیعتوں کی بنا پر اِن کی دوستی ہونا ممکن ہی نہیں تھا۔ کیونکہ اُن کی

شخصیت ہر لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد تھیں۔ اور اس کی بنیادی وجہ اُن کو ملنے والا مختلف ماحول تھا۔ کیونکہ شانزے شروع ہی سے اِتنے بڑے شہر میں اِتنے لوگوں کے درمیان تنہا زندگی کے دن گزارتی آئی تھی۔ جبکہ مناہل نے زندگی کے ابتدائی پندرہ سولہ سال جو گاؤں میں گزارے۔ اُن کا اُس کی شخصیت پر گہرا اثر تھا۔ اُس کی نہ تو کسی سے دوستی تھی۔ نہ ہی کوئی بہن بھائی۔ ماں کی کمی بھی وہ شدت سے محسوس کرتی تھی۔ حالانکہ چاچی نے اپنی بیٹی کی کمی کو مناہل کی صورت میں پورا کیا تھا۔ اور اس کی بچپن سے بہت اچھی دیکھ بھال کی تھی اور اُس سے اپنی بے پناہ محبت کا اظہار یوں کیا کہ بچپن میں ہی اُسے اسد اللہ خان سے اپنے ارباز کے لئے مانگ لیا۔ مگر مناہل کو قدم قدم پر ماں کی کمی اور یاد ستاتی رہتی تھی۔ بی ایس سی میں شاندار کامیابی حاصل کرنے کے بعد وہ اور شانزے ایم ایس سی کیمسٹری میں داخلے کے لئے پر تول رہی تھیں۔ پھر عین آخری تاریخ والے دن اُن کے فارم جمع ہوئے۔ مگر بے ایس سی میں دونوں کے نمبر اتنے اچھے تھے کہ پہلی لسٹ میں ہی اُن دونوں کے نام آ گئے۔

یونیورسٹی کے نئے ماحول میں شانزے تو بالکل نارمل تھی۔ مگر مناہل بُری طرح سے نروس ہو رہی تھی۔ اگرچہ اُس نے پُر اعتماد نظر آنے کی کافی کوشش کی تھی۔ مگر کیمپس میں جگہ جگہ لڑکوں کے گروپ دیکھ کر اُس کا سارا اعتماد ہوا ہو گیا تھا۔ اکتوبر کا وسط تھا اور موسم اچھا خاصا خوشگوار تھا۔ شانزے بار بار اُس کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کر رہی تھی مگر مناہل پر اُس کی نصیحتوں کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا۔ ڈاکومنٹس کی ویری فیکیشن کے بعد اُنہوں نے چالان فارم وصول کیا۔ فیس جمع کروانے چونکہ اُولڈ کیمپس جانا تھا۔ اِس لئے شانزے اُسے پہلے کیفے ٹیریا لے آئی۔ کیفے ٹیریا کی خاصی وسیع اور خوبصورت سی سفید عمارت کے باہر درختوں کے گھنے جھنڈ تھے اور اُن درختوں کے نیچے بھی جگہ جگہ ٹیبل پر بینچ لگائے گئے تھے۔ کیفے ٹیریا کے عین سامنے لائبریری کی تین منزلہ عمارت شان سے سر اُٹھائے کھڑی تھی اور لائبریری کے سامنے والا لان سدا بہار گلاب کے پودوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ باہر لوگ زیادہ نہیں تھے۔ اِس لئے اندر جانے کے بجائے وہ دونوں بھی وہیں ایک میز کے گرد بیٹھ گئیں۔ مناہل کی نظر اپنے ٹیبل کے عین سامنے قدرے فاصلے پر لگے ایک بینچ پر پڑی جس کے پاس چار لڑکے براجمان تھے ایک بینچ کے اُوپر بیٹھا تھا اور دو بینچ سے ٹیک لگائے گھاس پر بیٹھے تھے۔ جبکہ ایک ذرا ہٹ کر درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ ٹھیک ٹھاک ڈیشنگ اور ہینڈسم بندہ تھا۔ خیر گڈ لوکنگ تو وہ چاروں ہی تھے۔ مگر وہ اُن میں مُنفرد اور نمایاں تھا۔ یہ تجزیہ شانزے کا تھا۔ جب کہ مناہل نے انہیں ایک نظر دیکھ کر رُخ موڑ لیا تھا۔

اسی لمحے بینچ پر بیٹھے لڑکے نے اُونچی آواز میں گانا گنگنایا۔ جس پر باقی دو کے ساتھ ساتھ اُس ہینڈسم لڑکے نے بھی ایک ساتھ گانے والے لڑکے کے دھموکے جڑ دیئے تو شانزے کے ساتھ مناہل کو بھی ہنسی آ گئی۔ کیونکہ اُس لڑکے نے فوراً ہی گانا بند کر دیا تھا جیسے اُس کے سیل ختم ہو گئے ہوں۔ وہ ہینڈسم مسلسل مناہل کو تک رہا تھا۔ وہ چاروں لڑکے علی، زین، سفیان اور سلمان تھے۔ گانا علی نے گایا تھا جبکہ درخت کے سہارے کھڑا وہ ہینڈسم لڑکا سلمان شاہ تھا۔ وہ چاروں کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ کے فائنل ائیر میں تھے۔ چاروں میں گہری اور مثالی دوستی تھی۔ رہتے بھی ساتھ ہی تھے۔ علی، زین اور سُفیان تو اکثر ساتھ ہی نظر آتے مگر سلمان شاہ اُن کے ساتھ بھی دکھائی دیتا تھا جب وہ ڈیپارٹمنٹ کو رونق بخشتا۔ کیونکہ عموماً ہفتہ ہفتہ بھر کے لئے ڈیپارٹمنٹ سے غائب ہو جانا اُس کا محبوب مشغلہ تھا۔ بعض اُوقات تو ایسا ہوتا کہ وہ یونیورسٹی آتا بھی مگر اپنے ڈیپارٹمنٹ سے دور ہی رہتا اور حیرت کی بات یہ تھی

کہ اس کے باوجود اُس کا شمار ڈیپارٹمنٹ کے گنے چنے ذہین طلباء میں ہوتا تھا۔ اپنے سبجیکٹ میں تو اُس کی معلومات قابل رشک تھیں۔ تقریباً ہر موضوع پر وہ اِتنے اعتماد سے بات کرتا جیسے متعلقہ موضوع پر وہی اتھارٹی رکھتا ہو۔ بے حد پُر اعتماد اور ذہین ہونے کے ساتھ ساتھ وہ نا صرف کافی خوبصورت تھا۔ بلکہ اُس کا تعلق بھی ٹھیک ٹھاک کھاتے پیتے گھرانے سے تھا۔ نجانے کتنے مُربع زمینوں کا مالک سلمان شاہ ڈیپارٹمنٹ میں بہت مقبول تھا۔ خاص طور پر لڑکیوں میں اُس کی مقبولیت کا گراف کافی اُونچا تھا۔ اُس کی شُہرت کی اک خاص وجہ اُس کا شدید غصہ اور بے خوفی تھی۔ جہاں کہیں اُسے پتہ چلتا کہ یہاں یہ ٹھیک نہیں ہو رہا تو فوراً اُس معاملے میں کود پڑتا چاہے وہ کسی کا بھی ہو۔ یہی وجہ تھی کے اُس کا اپنے ڈیپارٹمنٹ کے علاوہ دوسرے ڈیپارٹمنٹس میں بھی کافی ہولڈ تھا۔ اِتنی خوبیوں کے باوجود وہ کبھی کسی لڑکی کے ساتھ نہیں دیکھا گیا تھا۔ لڑکیوں سے دوستی ایک طرف وہ کبھی کسی لڑکی سے فالتو بات بھی نہیں کرتا تھا۔ ڈیپارٹمنٹ آتا تو تمام وقت علی، سُفیان اور زین کے ساتھ رہتا۔

اُس روز بھی وہ اُن لوگوں کے ساتھ لان میں بیٹھا تھا۔ جب سامنے سے گزرتی لڑکی کو دیکھ کر چونک گیا۔ پیرٹ گرین سُوٹ میں ملبوس وہ لڑکی اِس قدر گھبرائی ہوئی تھی کہ اُسے صرف ایک نظر دیکھ کر اُس کی گھبراہٹ محسوس کی جاسکتی تھی۔ ہر ڈیپارٹمنٹ میں اُن دنوں نئے نئے لوگ نظر آرہے تھے۔ کیونکہ پریولیس کے ایڈمیشن شروع ہوچکے تھے۔ اور ان نئے آنے والوں میں سے اکثر لوگ پریشان اور کنفیوژ ہی نظر آتے تھے۔ خاص طور پر لڑکیاں۔ اِس لڑکی کی پریشانی دیکھ کر سلمان شاہ نے اُسے بھی اُنہی لوگوں میں شامل کیا تھا۔ مگر اُس کی صورت پر دھیان دیا تو وہ چونک گیا۔ اُس لڑکی کے نقوش بہت ہی تیکھے اور جاذب نظر تھے۔ مگر جس چیز نے سلمان شاہ جیسے بندے کو چونکایا تھا وہ خوبصورتی نہیں بلکہ اُس کے دلکش چہرے پر پھیلی ہوئی معصومیت تھی اور اُسے لڑکیوں میں جو واحد خوبی اٹریکٹ کرتی تھی وہ معصومیت ہی تھی۔ اُسے کبھی بھی ضرورت سے زیادہ تیز لڑکیاں اچھی نہیں لگی تھیں۔ معصوم چہرے اُسے متوجہ کر لیتے تھے۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ کسی چہرے نے اُسے چونکایا ہو۔ وہ یونہی اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ جب علی نے اُس کی توجہ اُس لڑکی کی طرف دیکھی

"کیوں بیچاری لڑکیوں کو گھور گھور کر دیکھ رہے ہو؟ بہنیں لگتی ہیں تمہاری۔" علی نے گھوم کر سلمان شاہ کو دیکھا۔

"اِن میں سے ایک کو تو میں ہرگز بہن نہیں بنا سکتا۔" وہ محویت سے بولا۔

"کس کو؟" زین نے فوراً پوچھا جبکہ سُفیان نے بھی نظریں گھمائیں۔

"وہ گرین سُوٹ والی۔" مختصراً کہا گیا۔ تینوں نے ہی حیرت سے سلمان شاہ کو دیکھا تھا۔ وہ پہلی بار یوں کسی لڑکی کے بارے میں پسندیدگی کا اظہار کر رہا تھا۔ تینوں نے ہی اُس لڑکی کو غور سے دیکھا تھا۔ پیرٹ گرین سادہ کاٹن کا سوٹ اُس کی صاف رنگت پر بہت جچ رہا تھا۔ پرنٹڈ آرکنڈی کا ڈوپٹہ سر سے ڈھلک گیا تھا۔ بہت لمبے سیاہ بال چوٹی کی شکل میں بندھے تھے۔ تیکھے نقوش بلاشبہ بہت جاذب نظر تھے۔

"ہوں...! واقعی لڑکی تو بہت حسین ہے۔" یہ سُفیان کا تبصرہ تھا۔

"ظاہر ہے اپنے سلمان کو کوئی عام سی لڑکی تو اٹریکٹ نہیں کر سکتی ناں۔" زین نے کہا جس پر دونوں نے اکتفا کیا۔

"صرف حُسن ہی نہیں۔ اِس کے چہرے کی معصومیت پر غور کرو۔ ایسا لگ رہا ہے اسے وقت چھوئے بغیر گزرا ہے۔ کم از کم میں نے پہلے کبھی اِس جیسا معصوم چہرہ نہیں دیکھا۔" سلمان شاہ کے لہجے میں ستائش تھی۔ اُسی وقت اُس لڑکی کی نظر ان پر پڑی تھی۔ اور چاروں ہی کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر وہ بُری طرح گھبرا گئی۔ اور اُس کی

گھبراہٹ علی کو مزا دے گئی۔ وہ شوخی سے بُلند آواز میں گُنگنایا۔ یوں گانے پر دوستوں سے تو جو توا ضع ہوئی سو ہوئی۔ بُرا یہ ہوا کے وہ لڑکی فوراً وہاں سے اُٹھ گئی۔ جس پر چلبلا کر سلمان نے دو مُکے اُسے مزید جڑ دیئے۔

☆......☆......☆

"میں سمجھا تھا کہ تم یونیورسٹی تک نہیں آپاؤ گی۔ بس بی ایس سی کر کے ہی واپس لوٹ جاؤ گی۔ اور میں تمہارا منتظر ہی رہوں گا۔" سروش کی بات پر مناہل مُسکرا دی۔ سروش مناہل ہی کے گاؤں کا تھا۔ بچپن ساتھ کھیلتے کودتے گُزرا۔ مناہل، سروش اور فرحت (سروش کی بہن) کی بچپن سے بہت گہری دوستی تھی۔ بھری دوپہر میں گھر والوں سے چھپ کر مناہل اِن بہن بھائی کے ساتھ ہولیتی۔ اور پھر سارا دن کھیتوں میں درختوں پر بندر کی طرح لٹک لٹک کر پھل توڑتے گزر جاتا۔ شام کے سائے گہرے ہوتے تو وہ اپنے اپنے گھروں کی راہ لیتے۔ مناہل کو ہمیشہ ہی ڈانٹ پڑتی تھی۔ مگر اُسے فکر نہیں ہوتی تھی۔ سدا کی کم گو اور خاموش رہنے والی مناہل سروش اور فرحت کے ساتھ کس قدر ہنستی بولتی تھی کوئی دیکھ لیتا تو یقین نہیں کرتا کہ یہ وہی مناہل ہے۔

مناہل نے بچپن سے شاہانہ زندگی گزاری تھی مگر عجیب بات تھی کہ اُس کا اِس حویلی میں دم گُھٹتا تھا۔ بیشک اُسے اپنے بابا سے تو بہت محبت تھی۔ مگر اُسے چاچا اور اُن کے تینوں لڑکے ذرا اچھے نہیں لگتے تھے۔ بات بے بات پر فساد کھڑا کر دیتے اور بات مرنے مارنے تک پہنچ جاتی۔ گاؤں کے لوگ اِن لوگوں سے بہت خوفزدہ رہتے تھے۔ اِس کے برعکس بابا اِتنے ہی رحم دل اور صلح جو تھے۔ مگر جب سے بابا بیمار رہنے لگے تھے تو سارے معاملات چاچا اور اُن کے بیٹے ہی حل کرتے تھے۔ یوں آہستہ آہستہ اُن کا زور چلنے لگا تھا۔

مناہل موقع دیکھ کر فوراً ہی سروش کے گھر پہنچ جاتی۔ سروش کی امی بھی اُسے بہت پیار کرتیں۔ اِن تینوں کی دوستی کی وجہ ایک جگہ پڑھنا تھا۔ مناہل کو اُن کے چھوٹے سے کچے مکان کا ماحول بہت اچھا لگتا تھا۔ شام میں وہ تینوں ساتھ ہی ہوم ورک کرتے۔ اکثر شام کا کھانا بھی مناہل وہیں کھایا کرتی تھی۔ بابا کو اُس کی تنہائی کا احساس تھا اِس لئے وہ اُسے جانے سے منع نہیں کرتے تھے۔

وقت کا پہیہ گھومتا گیا اور اِن تینوں نے میٹرک کر لیا۔ مناہل نے پہلی پوزیشن لی تو سروش دوسرے نمبر پر تھا۔ فرحت محض سروش کی وجہ سے پڑھ رہی تھی۔ ورنہ اُس کا کوئی خاص انٹرسٹ نہ تھا۔ اور پھر سروش مزید پڑھنے کے لئے شہر چلا گیا۔ مگر جاتے جاتے دونوں کے درمیان کئی عہد و پیمان ہوئے تھے۔ جس میں سے ایک یہ تھا کہ دونوں ایک دوسرے کا انتظار کریں گے۔

اور پھر سروش چلا گیا۔ مگر اُس کے بغیر مناہل کا گاؤں میں رہنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ جانے کب اور کیسے اِن دونوں کی دوستی محبت کا رنگ اختیار کر گئی تھی۔

"کیوں تمہیں ایسا کیوں لگا؟" مناہل نے پوچھا۔

"ہم جس گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں وہاں پڑھائی کا اتنا خاص رواج تو نہیں ہے اور پھر تمہاری حویلی میں تو لڑکیوں پر خاص پابندی عائد ہوتی ہے۔ اِس لئے جب تم شہر آئیں تو مجھے خاصی حیرت ہوئی تھی۔ مگر تم یونیورسٹی بھی جوائن کر لو گی۔ انڈویری امیزنگ" سروش کے چہرے سے اُس کی خوشی چھلک رہی تھی۔

"تمہاری سب باتیں بالکل درست ہیں۔ مگر اِن سب کے ساتھ تم ایک بات بھول گئے کہ میرے بابا بہت گریٹ ہیں اور وہ اپنی بیٹی کی کوئی بات رد نہیں کرتے۔ اور پھر مجھے تمہارے جتنا بھی تو پڑھنا تھا ورنہ تم مجھ سے

آگے نکل جاتے۔'' مناہل نے شرارت سے کہا تو سروش ہنس دیا۔
''مگر میں پھر بھی آپ سے ایک سال سینئر تو ہوں۔'' سروش نے اُس کے صبیح چہرے پر نگاہیں جما دیں۔
''وہ تو خیر آپ پیدائشی مجھ سے ایک سال آگے ہیں۔'' مناہل مُسکرائی۔
''جی نہیں میں آپ سے تین سال بڑا ہوں محترمہ!'' سروش نے اُس کے سر پر چپت رسید کی۔
''یعنی تم 5 کلاس میں ایک بار نہیں تین بار فیل ہوئے تھے۔'' مناہل نے حیرانگی سے کہا۔
''جی نہیں میں نے تین سال آپ کا ویٹ کیا تھا کہ کب محترمہ بڑی ہونگی اور اِسکول جوائن کریں گی۔'' سروش کی بات پر مناہل جھینپ گئی۔
''مناہل ایک بات کہوں.....!'' کچھ دیر بعد سروش بولا تھا۔ مناہل خاموش اُس کی طرف دیکھنے لگی۔
''تم بڑی ہو کر مزید خوبصورت ہوگئی ہو۔'' سروش ایک ٹک اُسے دیکھتے ہوئے بولا۔ تو مناہل نے فوراً ہی نگاہیں جُھکا لیں۔
اگلے دن سلمان شاہ کو وہ دوبارہ نظر آ گئی۔ وہی دونوں لڑکیاں تھیں شاید کچھ فارم وغیرہ سبمٹ کرانے تھے۔
سلمان شاہ کو مناہل پہلی نظر میں ہی اچھی لگی تھی۔ مگر دوسری بار اُسے دیکھ کر تو اُس کا نقش سلمان شاہ کے دل میں مزید گہرا ہو گیا۔ بار بار مناہل کی شبیہ اُس کی آنکھوں کے سامنے اُبھرنے لگتی اُس کا سادہ اور معصوم حُسن سلمان شاہ کو پوری طرح سے اسیر کر چکا تھا۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اب تک لاشعوری طور پر اِسی انتظار میں رہا ہو کہ کوئی آئے اور اُسے اپنا اسیر کر لے اور اب شاید ایسا ہو چکا تھا۔ پہلی بار اُسے کسی لڑکی کے بارے میں جاننے کی بے تابی ہو رہی تھی۔ اور اُس نے پکا ارادہ بھی کر لیا تھا کہ کلاس اسٹارٹ ہوتے ہی اُس کے ڈیپارٹمنٹ کا پتہ کروائے گا۔ مگر معلوم کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی کہ پریویس کی کلاسز شروع ہونے کے پہلے ہی دن وہ اُسے اپنے ہی ڈیپارٹمنٹ میں نظر آ گئی۔ آج سُفیان ڈنڈی مار گیا تھا۔ سلمان، علی اور زین کے ساتھ کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ سیڑھیوں کے عین سامنے کھڑے ہونے کی وجہ سے اُس کی نظریں بلا ارادہ ہی سیڑھیوں کی طرف اُٹھی تھیں اور وہاں مناہل شانزے کو دیکھ کر وہ حیرت سے ساکت رہ گیا۔ اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ مناہل کو ہی دیکھ رہا ہے وہ بھی اپنے ہی ڈیپارٹمنٹ میں ڈیپ ریڈ جارجٹ کے سادہ سوٹ میں لمبے سیاہ بال سلیقے سے باندھے ہاتھ میں فائل پکڑے، دائیں شانے پر بیگ لٹکائے مناہل اُسے ساری کائنات سے بڑھ کر حسین لگی۔ وہ مبہوت سا ہو کر اُس پر نظریں جمائے کھڑا تھا جبکہ زین اور علی حیرت سے اُس کی محویت کو دیکھ کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ کلاس آف ہونے کا وقت تھا۔ اس لئے وہاں اسٹوڈنٹس کی بڑی تعداد دکھائی دے رہی تھی۔ دوسرے ڈیپارٹمنٹس کے اسٹوڈنٹس وہاں گروپوں کی شکل میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ سلمان شاہ کو یوں کسی لڑکی پر نگاہیں جمائے کھڑا دیکھ کر دو منٹ میں زبردست قسم کا سکینڈل بن سکتا تھا۔ مگر سلمان کو اِس بات کا خیال نہیں تھا۔
''دوست اپنے جذبات پر قابو رکھو۔ وہ لڑکی بہت نازک ہے۔ اِس کا تماشہ نہ بنوا دینا۔'' زین نے اُس کے شانے پر ہاتھ مارا تو وہ بُری طرح چونکا اور پھر اگلے ہی لمحے وہ باہر نکل گیا۔ علی اور زین بھی اُس کے پیچھے ہی باہر نکل گئے۔

☆.....☆.....☆

اگلے روز مناہل نہ چاہتے ہوئے بھی یونیورسٹی آئی تھی۔ اُس کا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا یونیورسٹی کا آزاد ماحول لوگوں کے بے مُروت انداز اور بے حسی اُس کے نازک دل پر اچھا اثر نہیں ڈال پائے تھے۔ لیکن اب جب گلے میں ڈھول لٹکا لیا تھا تو بجانا بھی خود ہی تھا۔ اور پھر سروش کی وہاں موجودگی سے اُسے ذرا حوصلہ رہتا تھا۔ اگرچہ اُس کا ڈیپارٹمنٹ الگ تھا مگر وہ مناہل کی خاطر ایک بار ضرور اُس کے ڈیپارٹمنٹ آتا تھا۔ پھر شانزے تھی جو ہر وقت اُس کے ساتھ رہتی۔ آج بھی وہی اُسے زبردستی لانے میں کامیاب ہوئی تھی۔ فی الحال تو کلاسز نہیں ہو رہی تھیں، کوئی ٹیچر آتا بھی تو محض انٹروڈکشن لے کر چلا جاتا۔ مگر اُس روز 11 بجے کے قریب اچانک ہی پوری فائنل ایئر اُن کے روم میں آ گھسی۔ اُنہیں دیکھتے ہی مناہل کا دل چاہا کہ وہاں سے فوراً بھاگ جائے کیونکہ وہ کل سے پریویس والوں کو فائنل والوں کے ہاتھوں بے وقوف بنتا دیکھ رہی تھی۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ فائنل والوں نے آتے ہی دروازوں پر قبضہ جما لیا تھا۔ گویا فرار کے تمام راستے بند تھے۔
''کہا بھی تھا۔ آج چھٹی کر لیتے ہیں نجانے یہ اب ہماری کیا ڈرگت بنانے والے ہیں۔ مگر تُم.....! لعنت ہو تمہاری دوستی پر۔'' مناہل نے تنگ کر کہا تو شانزے مُسکرا دی۔
''تسلی رکھو کھائیں گے نہیں تمہیں۔''
فائنل والوں نے فوراً ہی چھوٹا سا اسٹیج بنا لیا تھا۔ ڈائس کے پیچھے چار کرسیاں رکھ کر مہمان خصوصی کی نشست تیار کی گئی۔ اور مہمان خصوصی کو دیکھ کر مناہل کی مزید جان نکل گئی۔ کیوں کہ وہ چاروں وہی لڑکے تھے جنہیں پہلی بار اُس نے کینٹین ٹیریا میں دیکھا تھا۔
ایک لڑکی ڈائس پر کھڑی ہوگئی سب سے پہلے اُس نے نہایت خوش دلی سے پریویس والوں کو فائنل والوں کی طرف سے ویل کم کہا تھا اور پھر کہا کہ اب پریویس اپنا تعارف خود باری باری اسٹیج پر بنے ڈائس پر آ کر کرائے گی۔ ڈائس تک جانے کا سن کر ہی مناہل کے پسینے چھوٹ گئے اور پھر جب اُن کی کلاس کے اسٹوڈنٹس نے باری باری ڈائس تک جانا شروع کیا اور فائنل والوں نے اُن سے اُلٹے سیدھے سوال شروع کیے تو اُس کی بچی کچی ہمت بھی جواب دے گئی۔ اُس نے سہمے دل کے ساتھ اپنی توجہ اسٹیج کی طرف مرکوز کرنے کی کوشش کی جہاں اُن کی کلاس کا سب سے دبلا پتلا سانولا سا لڑکا کھڑا تھا۔ فائنل والے اُس سے اُس کی ہیلتھ کا راز جاننے پر بضد تھے۔ جواب نہ دینے کی صورت میں وہ جُرمانہ وصول کر رہے تھے۔ جس کی مناہل کو بالکل فکر نہ تھی۔ اصل مسئلہ تو ڈائس تک جانے کا تھا۔ جس کے تصور سے ہی اُس کی جان نکل رہی تھی۔ اسٹیج پر بیٹھا سلمان شاہ مسلسل اُس کو فوکس میں لئے بیٹھا تھا۔ اور اُس کی پریشانی اور بوکھلاہٹ اُس سے پوشیدہ نہیں تھی۔ باری باری سب ہی ڈائس پر جا رہے تھے جب شانزے کی باری آئی تو مناہل کو یقین ہو گیا کہ اب اُسے بھی اسٹیج تک جانا پڑے گا۔ مگر اُس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب سب کی باری آنے کے بعد فائنل والوں نے محفل برخاست کر دی۔ حالانکہ فائنل والے بار بار اُسے پوائنٹ آؤٹ کر رہے تھے۔ مگر سلمان شاہ کے ساتھ اُن تینوں نے بھی اپنی کلاس فیلوز کو نظر انداز کر کے تشنیں چھوڑ دیں تو اُن سب کو بھی اُن کی تقلید کرنی پڑی۔
''واہ۔ کیا بھرم ہیں اِس سلمان شاہ کے۔'' شانزے نے ستائشی لہجے میں کہا جبکہ مناہل خاموش بیٹھی جاتے ہوئے سلمان شاہ کو دیکھ رہی تھی۔ اور اُس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

☆.....☆.....☆

''کیا ہوا؟ اب اتنا خاموش کیوں ہو گئے؟'' مناہل نے ٹیبل پر رکھا سروش کا ہاتھ جھنجھوڑا۔
''کچھ نہیں! بس کبھی کبھی مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔'' سروش نے اُلجھ کر کہا۔
''ہیں...! ڈر... تمہیں ڈر بھی لگتا ہے؟'' مناہل نے شرارت سے کہا۔
''منا! ہم بچپن سے ساتھ رہے ہیں اور اس ساتھ نے ہمیں ایک دوسرے کا عادی بنا دیا ہے۔ اب یہ ساتھ ہمارا مزید کب تک رہنے والا ہے؟''
''ہمیشہ رہے گا۔'' مناہل نے ایک دم ہی اُس کی بات کاٹ دی تو سروش اُس کے مضبوط لہجے کو دیکھے گیا۔
''اِسی بات کا خوف ہے۔ تم حویلی میں رہنے والی چوہدری اسد اللہ خان کی اکلوتی بیٹی اور میں اُسی گاؤں کے ایک کسان کا بیٹا۔ میں دن رات بھی محنت کروں تو تمہارے جتنا مقام حاصل نہیں کر سکتا۔ چودھری سرمد اور اُن کے بیٹوں کو تو تمہاری مجھ سے دوستی ہی سخت بُری لگتی تھی۔ نہ کہ ہمیشہ کا ساتھ۔ اور میرا یہ حال ہے کہ تمہارے خیال کے بنا اپنی زندگی بے مقصد اور تاریک لگتی ہے۔'' سروش کے لہجے میں کیا تھا؟ محبت، غربت، بے بسی۔ مناہل ایک ٹک اُسے دیکھے گئی۔
''میری زندگی کا فیصلہ میرے بابا جان کریں گے سروش! چاچا یا اُن کے بیٹے نہیں۔ اور مجھے اپنے بابا پر پورا بھروسہ ہے۔ اُنہیں میری خوشی مطلوب ہوگی۔ اور رہی بات حیثیت اور مقام کی تو آج تو یہ بات کہہ دی۔ مگر آئندہ کبھی میرے سامنے یہ بات مت کرنا ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔'' مناہل جارحانہ انداز میں بولی۔
''حقیقت سے نظریں کیا چُرانا؟ جو ہے وہ تو ہے۔ تم میں اور مجھ میں جو واضح حیثیت کا فرق ہے نہ تم بھی جانتی ہو اور میں خود بھی۔'' سروش دھیرے سے ہنسا تھا۔ کتنی کھوکھلی تھی اُس کی ہنسی۔ مناہل کچھ دیر اُسے دیکھتی رہی پھر سامنے ٹیبل پر دوسری لڑکیوں کے ساتھ بیٹھی شانزے کو اشارے سے پاس بُلایا۔
''بیٹھو! تم سے ایک بات پوچھنی ہے۔'' مناہل نے اُسے بیٹھنے کو کہا۔ سروش بھی حیرت سے اُسے دیکھ رہا تھا۔
''کیا ہوا! خیریت! کوئی لڑائی وغیرہ ہو گئی کیا؟'' شانزے نے شرارتی انداز میں کہا۔ جس پر سروش شانے اُچکا کر رہ گیا۔
''شانزے یہ بتاؤ! مجھ میں اور سروش میں کیا فرق دکھتا ہے؟'' مناہل سے اس قدر بیوقوفی کی اُمید سروش کو ہرگز نہیں تھی۔
''ہیں...! یہ کیا سوال ہے بھئی؟ سہیلی تم لڑکی ہو اور سروش لڑکا۔'' شانزے نے شرارت سے کہا۔
''اوف ہو...! اِس کے علاوہ بتاؤ۔'' مناہل بھنا گئی۔
''Hmmmm!'' شانزے نے ٹھوڑی ہاتھوں پر ٹکا کر دونوں کا بغور جائزہ لیا۔
''یہ تم دونوں کیا پاگلوں والی حرکتیں کر رہی ہو۔'' سروش ڈپٹ کر بولا۔
''خاموش رہو! اور سنو!'' مناہل نے لبوں پر اُنگلی سے اشارہ کیا۔
''سروش! ہائیٹ وائز تم سے زیادہ ہے۔ تم جیسی دو اُس کے پیچھے آرام سے چُھپ سکتی ہیں۔'' شانزے نے کہا۔
''رائٹ! اور.....!''
''اور! بیشک تمہارا رنگ صاف ہے مگر سروش اِس معاملے میں بھی تم سے بازی لے گیا ہے اُس پر بھوری آنکھیں اُسے مزید حسن بخشتی ہیں۔''

''اور.....!''
''اور! تمہارے بال کالے ہیں۔ جبکہ سروش کے براؤن ہیں۔''
''اور.....!''
''کیا اور! اور! لگا رکھا ہے۔ دماغ ٹھیک جگہ پر ہے کیا؟'' سروش نے ٹیبل پر ہاتھ مار کر دونوں کو چُپ کرایا۔
''ہم دونوں میں دوسروں کو یہی فرق دکھتا ہے۔ اور مجھے بھی اس کے علاوہ اور کوئی خاص فرق نہیں لگتا۔'' مناہل نے بغور اُس کے چہرے کا جائزہ لیا۔
''سُدھر جاؤ! بہت بولنا آ گیا ہے تمہیں۔'' سروش جھینپ کر ہنس پڑا۔ تو وہ دونوں بھی ہنسنے لگیں۔
''بولنے دو سروش! صرف تم سے ہی تو بولتی ہے یہ ورنہ کلاس کیا پورے ڈیپارٹمنٹ میں یہ مسٹری گرل مشہور ہے۔'' شانزے کی بات پر مناہل مُسکرا کر نگاہیں جھکا گئی۔
''شُکر ہے! مسٹری گرل مشہور ہے سائیکو گرل نہیں۔'' سروش نے شرارت سے کہا۔ تو مناہل نے پاس پڑی بک اُسے دے ماری۔ شانزے نے بے اختیار ان دونوں کے دائم ملن کی دُعا کی تھی۔

☆.....☆.....☆

''تو تمہیں اِس سے محبت ہو گئی ہے؟'' زین نے گھاس کے تنکے نوچتے ہوئے سلمان شاہ کو دیکھا۔
''ہاں!'' وہ بغیر سر اُٹھائے بلا جھجک بولا۔
''اصلی والی! جیسی مجنوں کو لیلیٰ سے اور رانجھا کو.....!'' علی بولا۔
''بالکل! جیسی رومیو کو جولیٹ سے، مہینوال کو سوہنی سے اور پُنوں کو سسی سے تھی۔'' وہ علی کی بات کاٹ کر بولا۔ جس پر وہ تینوں اُس کی طرف غور سے دیکھنے لگے وہ بڑی سنجیدگی سے ابھی تک گھاس کے تنکے نوچ رہا تھا۔
''تم میری بات سمجھ نہیں رہے ہو۔'' علی جھنجھلا گیا۔ جس پر سلمان شاہ اپنا شغل چھوڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔
''تو سمجھاؤ ناں یار!''
''دیکھو! تمہیں وہ اچھی لگتی ہے۔ لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تم اُس کے لئے واقعی سنجیدہ ہو یا صرف.....!'' علی نے اپنی بات خود ہی ادھوری چھوڑ دی۔ سلمان شاہ چند لمحے اِس طرف دیکھتا رہا پھر جب بولا تو اُس کا لہجہ بہت سنجیدہ، مضبوط اور اٹل تھا۔
''تم لوگ میرے بہت قریبی دوست ہو اور اچھی طرح سے جانتے ہو کہ ایسی حرکتیں میری نیچر سے میچ نہیں کھاتیں کہ میں یونہی لڑکیوں سے دوستیاں کرتا پھروں۔ اگر مجھے اس کا اِتنا ہی شوق ہوتا تو اب تک نجانے میری کتنی لڑکیوں سے دوستی ہوتی۔ لیکن یہ سب مجھے ذرا پسند نہیں میری ہمیشہ یہی سوچ رہی ہے کہ دوستی اُسی لڑکی سے کروں جو مجھے واقعی متاثر کرے۔ اور پھر شادی بھی اُسی سے کروں گا۔ اور مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ مناہل ہی میری زندگی میں آنے والی وہ پہلی لڑکی ہے۔ جس نے مجھے واقعی متاثر کیا ہے۔ اور شاید آخری بھی۔''
''اور اس کی وجہ اس کی خوبصورتی اور معصومیت ہے ناں۔'' سُفیان نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔
''نہیں! صرف خوبصورتی اور معصومیت نہیں۔ اِس میں عجیب سی اٹریکشن ہے جو میں نے پہلے کبھی کسی میں محسوس نہیں کی۔ اور وہ اٹریکشن کیا ہے میں اُسے محسوس کر سکتا ہوں مگر لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔'' سلمان کے لہجے میں چُھپی بے قراری وہ بخوبی محسوس کر سکتے تھے۔

یہ تو واقعی محبت ہے۔ بلکہ ٹھیک ٹھاک قسم کا گرما گرم عشق ہے بھئی! ہائے رے ہائے آپ کو یہ موذی بیماری کب لاحق ہوئی؟'' علی شوخی سے بولا۔

'' شاید پہلی نظر میں ہی۔'' سلمان اُلجھا اُلجھا سا بولا۔

''تو اُسے بتا کیوں نہیں دیتے؟ تم تو اُس سے بات تک نہیں کرتے۔'' سُفیان پریشانی سے بولا۔ جبکہ سلمان ایک بار پھر گھاس نوچنے لگا۔

''بولو! کیا تم یہ سب کہتے ڈرتے ہو؟'' زین کو اُس کا یہ شُغل اور اُلجھا ہوا انداز زہر لگ رہا تھا۔

''ہاں! ڈرتا ہوں! مگر اپنے لئے نہیں اُس کے لئے۔ تم نے دیکھا نہیں وہ کتنی معصوم اور سادہ ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ اُسے میری وجہ سے کسی پریشانی کا سامنا ہو۔ وہ خود میری محبت کو محسوس کرے۔ اُس کا دل مانے تو قبول کرے اور دل نہ مانے تو بیشک ریجیکٹ کر دے۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔ تو ان تینوں نے چونک کر اُسے دیکھا۔

''چاہے ریجیکٹ کر دے۔'' سُفیان نے کہا۔ جبکہ علی اردگرد کا جائزہ لینے لگا۔ اچانک ہی وہ چونک پڑا۔

''ہاں! کیونکہ میں زبردستی کا قائل نہیں۔''

''یار! سلمان یہ مناہل اور شانزے کے ساتھ لڑکا کون ہے؟'' علی کی بات پر سلمان سمیت زین اور سُفیان بھی اُس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھنے لگے۔ سامنے ٹیبل پر مناہل اور شانزے کے ساتھ ایک لڑکا بیٹھا تھا اور کسی بات پر مناہل نے اُس لڑکے کو ٹہوکا ماری تھی اور پھر تینوں ہنسنے لگے۔ وہ چاروں اپنی باتوں میں اس قدر اُلجھے ہوئے تھے کہ اردگرد کون کون بیٹھا ہے اُنہیں فکر ہی نہیں تھی۔

''میں پہلے بھی ایک بار اسی لڑکے کو مناہل کے ساتھ دیکھ چکا ہوں۔'' سُفیان کی بات پر سلمان بے یقینی سے اُسے تکنے لگا۔

''کون ہے یہ؟ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا تو نہیں ہے۔'' سلمان کی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی۔

''میتھس کا اسٹوڈنٹ ہے فائنل ائیر میں۔'' سُفیان نے معلومات فراہم کیں۔

''ٹینشن مت لے۔ اسے ہم دیکھ لیتے ہیں۔'' سلمان کے دھواں دھواں ہوتے چہرے کو دیکھ کر علی نے کہا۔

''نہیں! اِس لڑکے کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا پتہ مناہل بھی۔'' سلمان نے تلخی سے لب بھینچے۔ وہ تینوں ہی اُسے دیکھ کر بے چین ہو گئے۔

☆.....☆.....☆

''جی! بولیے کیا پرابلم ہے؟'' سروش اُس وقت بینچ پر تنہا بیٹھا اپنے نوٹس تیار کر رہا تھا جب علی اُس کے برابر اور سُفیان اور زین بینچ کے پیچھے کھڑے ہو گئے جبکہ سلمان حسب عادت کچھ فاصلے پر درخت سے ٹیک لگائے اپنے مخصوص اسٹائل میں ایک پاؤں پیچھے تنے سے لگائے دونوں ہاتھ جیبوں میں ڈالے کھڑا تھا۔

''تُم! سروش! میتھس کے اسٹوڈنٹ۔ رائٹ'' سُفیان نے پیچھے سے اُس کے شانوں پر زور دے کر کہا۔

''ہاں! بٹ واٹ ڈُو یُو وانٹ ٹوٹیل ہُو آر یو اینڈ واٹ ڈو یو وانٹ؟'' سروش اُلجھ کر اُنہیں دیکھنے لگا۔

''ہم کون ہیں؟ اِس کی فکر میں گھلنا چھوڑ دو۔ یہ بتاؤ کہ تم مناہل کو کب سے اور کیسے جانتے ہو؟'' زین کے منہ سے مناہل کا نام سُن کر سروش نے چونک کر اُسے دیکھا۔

''تُم مناہل کو کیسے جانتے ہو؟'' سروش نہ سمجھی سے بولا۔

''یار! تم کیوں ہمارے غصہ کو ہوا دے رہے ہو۔ جو پوچھ رہے ہیں اُس کا جواب دو! اور بس۔'' اب کے علی نے ڈپٹ کر کہا۔ سروش نے پہلے اِن تینوں کو اور پھر قریب ہی کھڑے سلمان شاہ کو دیکھا۔ وہ تینوں غصے سے اُسے ہی گھور رہے تھے جبکہ سلمان آنکھوں پر سن گلاسز چڑھائے سامنے دیکھ رہا تھا۔

''میں اور مناہل ایک ہی گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ ہم بچپن سے ساتھ ہیں اور اب''

''یار ہمیں تمہارا انٹرویو ''میرا بچپن'' میں شائع نہیں کرنا ہے۔ کیا تم مناہل میں انٹرسٹڈ ہو۔'' زین نے اُس کی بات کاٹ کر دوٹوک بات کی۔

''ہاں! میں مناہل سے بچپن سے محبت کرتا ہوں۔'' سروش نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''اور مناہل! کیا وہ بھی تم سے ...؟'' علی نے پوچھا۔ اور پھر تینوں سانس روکے اُسے تکنے لگے۔ دھڑکن تو اُس وقت سلمان شاہ کی بھی رُک سی گئی تھی مگر وہ ہنوز اپنی جگہ کھڑا رہا۔

''ہاں! ہم دونوں ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں۔'' سروش نے نرمی سے کہا۔ اور پھر اُن کے اُترے چہرے دیکھنے لگا۔ وہ اب تک مُعاملے کی تہہ تک نہیں پہنچ پایا تھا۔ کوئی ایک لڑکا ہوتا تو ٹھیک تھا مگر اب یہ چار چار۔

''مگر آپ سب یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟'' وہ تینوں بالکل خاموش تھے۔ اب کیا کہتے۔ کچھ کہنے کے لئے بچا ہی نہیں تھا۔ سلمان نے گہرا سانس کھینچا اور گلاسز اُتارتا سروش کے قریب آیا۔

''میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو؟ کس قبیلے سے بلونگ کرتے ہو؟ مگر میں اتنا جانتا ہوں کہ مناہل بہت اچھی لڑکی ہے۔'' سلمان اُس کے شانے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا جبکہ سروش کے ساتھ ساتھ وہ تینوں بھی اُسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ جبکہ وہ کہہ رہا تھا۔

''تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو فائن۔ مگر میں یہ دوستی اور پسندیدگی کو میں نہیں مانتا۔ تم فوراً اُس سے شادی کر لو کہ یہی ایک مضبوط اور پاک رشتہ ہے۔'' سروش حیرت سے اِس انجان شخص کو دیکھ رہا تھا۔ جو نظریں جھکائے مناہل سے کس قدر اپنائیت کا اظہار کر رہا تھا۔

''ہم دونوں بھی یہی چاہتے ہیں۔ مگر.....!'' سروش کہتے کہتے رُک گیا۔

''مگر کیا.....؟'' سلمان نے ایک جھٹکے سے سر اُٹھایا تھا۔

''دراصل! مناہل ہمارے گاؤں کے زمیندار کی بیٹی ہے جبکہ میں اُسی گاؤں کے ایک معمولی کسان کا بیٹا ہوں۔ ہمارے درمیان بہت فرق ہے۔''

''فرق، مقام، حیثیت، یہ سب محبتوں میں نہیں دیکھا جاتا۔'' سلمان نے دھیرے سے کہا۔

''ہاں! وہ بھی یہی کہتی ہے۔ مگر ہمارے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ مناہل کے چاچا اور اُن کے تینوں بیٹے بہت سفاک اور بے رحم ہیں وہ یہ سب کبھی نہیں ہونے دیں گے۔'' سروش کو اُن تینوں کے مقابلے میں یہ لڑکا اچھا لگا۔ وہ اس سے دوستانہ لہجے میں بات کرنے لگا۔

''جب محبت کی ہے تو زمانے کے آگے سینہ تان کر کھڑے ہونا بھی سیکھو۔ محبت کرنے والوں کے آگے آزمائشیں تو آتی ہی ہیں انہیں فیس کرنا سیکھو۔ تم اور مناہل اپنی جگہ ڈٹے رہو۔ اور اگر اُن سفاک اور بے رحم لوگوں سے نمٹنا ہو تو میں حاضر ہوں۔ میں اپنی جان پر کھیل کر تم دونوں کی شادی کرواؤں گا۔'' اُن تینوں نے افسردگی سے سلمان

شاہ کو دیکھا۔ ایسا تو وہ کبھی نہ تھا۔ اس قدر ٹوٹا ہوا لہجہ۔

''تھینکس دوست! مگر آپ لوگ ہو کون؟'' سروش نے مُسکرا کر اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ مگر سلمان بناء کچھ کہے سُن گلاسز آنکھوں پر چڑھاتا باہر کی طرف چلتا چلا گیا۔ سروش نے دور تک اُسے جاتے دیکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

''یار! سلمان ایسا کب تک چلے گا؟ تُو اُسے بھول کیوں نہیں جاتا؟'' پچھلے دو دن سے وہ یونیورسٹی نہیں جا رہا تھا۔ اب بھی ریموٹ ہاتھ میں لئے یونہی چینل گھمائے جا رہا تھا۔ جبکہ وہ تینوں اُسے دیکھ دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھ رہے تھے۔ سلمان شاہ ایسا تو کبھی بھی نہیں تھا۔ دن میں تین بار شرٹ چینج کرنے والا کل سے ایک ہی شرٹ پہنے گھر میں بند پڑا تھا۔ کھانا بھی بس اُن لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر دو چار لقمے لے کر اُٹھ جاتا۔

''اگر! بس میں ہوتا تو کب کا بھول چُکا ہوتا۔'' سلمان نے شکستہ لہجہ میں کہا۔

''تو پھر...! اُس سے ایک بار بات کر کے تو دیکھ۔ کیا پتا...؟'' سُفیان کی بات پر سلمان نے رُخ موڑ کر اُسے دیکھا۔

''کیا بات کروں؟ کیا کہوں؟ جب وہ دونوں ایک دوسرے میں انٹرسٹڈ ہیں تو میں اُن کے درمیان میں کیوں آؤں۔ اور تمہارا خیال ہے وہ اپنی بچپن کی محبت چھوڑ کر میرے ساتھ چل پڑے گی۔'' سلمان نے تلخی سے کہا۔

''بھول جانا تیرے بس میں نہیں ہے۔ بات کرنے کی ہمت نہیں ہے تو پھر آخر چاہتے کیا ہو؟ اتنا تو ہو نہیں کہ اُس کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کر دو۔ بلکہ اُلٹا اُن دونوں کی شادی کی ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ سلام تیری محبت پر۔'' سُفیان نے چڑ کر کہا۔

''تو اور کیا کرتا؟ تو ہی بتا کیا کرتا میں؟ زبردستی اُس کے دل میں اپنی محبت ڈال کر اُس کی محبت کو نکال دیتا؟ یا پھر سب کے سامنے اُسے کھینچتا ہوا اپنے ساتھ لے آتا؟ بول! کیا کرتا میں؟'' سلمان نے ریموٹ پھینکا۔ اور جیسے پھٹ پڑا۔ وہ تینوں خاموشی سے اُسے دیکھتے رہے۔ آج دو دن کی خاموشی ٹوٹی تھی۔ اچھا تھا سارا لاوا بہہ جاتا۔ سلمان کچھ دیر بولتا رہا پھر ایک دم ہی خاموش ہو گیا۔ اور اُن تینوں کو دیکھنے لگا۔ جو پچھلے دو دن سے اُس کی وجہ سے پریشان تھے۔

''آئی ایم سوری!'' سلمان صوفہ پر گر سا گیا اور دونوں ہاتھوں میں اپنا سر گرا لیا۔

''تو یونیورسٹی کیوں نہیں جا رہا؟'' علی نے نرمی سے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

''دل نہیں چاہ رہا۔'' سلمان اُسی پوزیشن میں بیٹھا تھا۔

''کیوں! کیوں دل نہیں چاہ رہا؟ آخر کب تک خود سے بھاگنے کی کوشش کرے گا۔ خود ہی تو کہتا ہے کہ محبت کرنے والوں کے لئے بہت سی آزمائشیں آتی ہیں۔ انہیں فیس کرنا چاہئے۔ پھر اب خود کیوں اس کٹھن مرحلے سے نظریں چُرا رہا ہے؟ پیپرز قریب ہیں۔ کیوں اپنے فیوچر کو داؤ پر لگا رہا ہے؟ اور اپنے ساتھ ساتھ ہم تینوں کو بھی ڈسٹرب کر رہا ہے؟'' زین کو ایک دم ہی غصہ آ گیا تھا۔

''تو کس نے کہا ہے؟ تم لوگوں کو ڈسٹرب ہونے کو؟ کیوں میری وجہ سے پریشان ہو رہے ہو؟ چھوڑ دو مجھے میرے حال پر۔ جاؤ تم لوگ!'' سلمان نے زین کو گھورا۔

''یہی! بس اسی بات کا انتظار تھا۔ ایک لڑکی کے پیچھے تُو ہم تینوں کو چھوڑ رہا ہے۔ بچپن کے ساتھ کو اس چند ماہ کی

محبت پر قربان کر رہا ہے۔ مگر ہم تیری طرح نہیں ہیں کہ تجھے مشکل وقت میں تنہا کر دیں۔'' زین کی بات پر سلمان کو ایک دم ہی اپنے تلخ لہجے کا اندازہ ہو۔

''سوری یار! مگر میں کیا کروں۔'' سلمان اُٹھ کر زین کے پاس آیا اور ایک دم اُس کے گلے لگ کر سسک پڑا۔ سفیان اور علی بھی ان کے قریب چلے آئے۔

''یار! تُو ہمیں اس حلیے میں بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔ ہمیں ہمارا وہی سلمان شاہ چاہئے۔ جس کے آگے پیچھے لڑکیاں پھرا کرتی تھیں۔''

''اور ہم تینوں تجھ سے اور تیری پرسنالٹی سے جیلس ہو جایا کرتے تھے۔'' علی نے سفیان کی بات کو آگے بڑھایا۔ جس پر ان تینوں کے ساتھ سلمان بھی مُسکرا دیا۔ کہ بہر حال اُسے اپنے یہ دوست جان سے زیادہ عزیز تھے۔

''تُو آج ہمارے ساتھ یونیورسٹی جا رہا ہے۔ حد ہوتی ہے وہاں سب نواب صاحب کو congratulate کرنے کے منتظر ہیں اور اس کے نخرے ہی نہیں ختم ہو رہے۔ اگر میں نے تیری جگہ پوزیشن لی ہوتی تو دیکھتا پھر میں کیسے اِتراتا۔'' سفیان نے کہا۔

''اسی لئے نہیں آتی۔ اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔'' زین نے اس کے چپت رسید کی۔

''یار میں نہیں جا رہا۔ آج تو بالکل موڈ نہیں ہے۔'' سلمان نے ٹالا۔

''تیرے موڈ کی تو...! اتنی بڑی خوشی کی بات ہے وہاں اسٹوڈنٹس کے ساتھ ساتھ پروفیسرز بھی تیرے اِس اُجڑے ہوئے مُکھڑے کے منتظر ہیں۔'' علی نے اس کی بات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا۔

''کیسی خوشی؟ اب میرے لئے کوئی خوشی اہمیت نہیں رکھتی۔'' سلمان نے ٹوٹے لہجے میں کہا۔

''قسم سے اب اگر تُو نے اس منحوس انداز سے بات کی تو میں تیرا سر پھاڑ دوں گا۔'' علی نے پاس پڑا ماربل کا شو پیس اُٹھایا جس پر وہ ہنس دیا۔

''مجنوں کی اولاد نہ ہو تو!'' علی نے بھنا کر کہا۔ جس پر وہ سب ہنس دیئے۔

☆.....☆.....☆

''تم نے آج کلاس کیوں نہیں لی؟ تین گھنٹوں سے کہاں گھوم رہی ہو؟'' شانزے کتنی ہی دیر سے غائب تھی۔ اس لئے کلاس روم سے باہر آتے ہوئے جیسے ہی اُس پر نظر پڑی' اُس نے فوراً لتاڑنا اپنا فرض سمجھا تھا۔ جس پر شانزے بغیر کچھ کہے ڈھٹائی سے مسکراتی رہی۔ یہ اس کی پُرانی عادت تھی۔

''میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں اور تم پاگلوں کی طرح مسکرائے جا رہی ہو۔'' مناہل نے اسے ٹوکا رسید کی۔

''اب اپنی جلی کٹی سنانا بند کرو۔ تو میں بتاؤں بھی۔'' شانزے نے کہا تو مناہل خاموش ہو کر اُسے دیکھنے لگی۔

''آج فائنل والوں کا رزلٹ آ گیا ہے۔ اور تمہیں پتہ ہے کہ ٹاپ کس نے کیا ہے؟'' شانزے نے سسپنس پھیلایا۔

''کس نے؟'' مناہل نے لاپرواہی سے پوچھا۔

''سلمان شاہ نے! ارے وہی ہینڈسم۔'' شانزے نے اسے یاد دلایا۔

''تو اُس میں اتنا خوش ہونے والی کیا بات ہے۔ اگر تم مجھے سروش کا رزلٹ بتا رہی ہوتیں تو میں خوش بھی ہوتی۔'' مناہل نے اسے گھورا۔

"تمہیں حیرت نہیں ہو رہی۔ وہ ہینڈسم کتنا کم یونیورسٹی آتا ہے۔ لائبریری میں میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا۔ مگر پھر بھی کتنا جینئس ہے وہاں اس کی ذہانت کی دھوم مچی ہوئی ہے۔" شانزے اُس سے بہت متاثر نظر آ رہی تھی۔

"دھونس سے یا غنڈہ گردی سے لگوا لئے ہونگے نمبر۔ یہ سب تو اُن کے لئے کوئی بڑا کام نہیں ہے۔ زہر لگتے ہیں مجھے ایسے لوگ جو اپنے پیسے اور سورس کا ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔" مناہل کو وہ چاروں شروع دن سے اچھے نہیں لگے تھے۔

"تم کیسے یہ سب کہہ سکتی ہو؟ وہ چاروں واقعی جینئس ہیں۔ انہیں دیکھ کر لگتا ہے۔ اور پھر جس طرح ٹیچران کی تعریفیں کرتے ہیں۔ اور پھر اپنی ویل کم پارٹی میں تم نے دیکھا نہیں اُن چاروں نے ہی سارا انتظام سنبھالا ہوا تھا۔ اور پھر سلمان شاہ کی اناؤنسمنٹ...! کیا انداز تھا۔ میں تو اُن چاروں کی فین ہوگئی ہوں۔" شانزے کی بات پر مناہل نے سر جھٹکا۔

"تم یہ بتاؤ کہ اتنی دیر سے کہاں غائب تھیں؟"

"اوف ہو! بھئی اُن چاروں ہی کو ڈھونڈ رہی تھی۔ ہر کوئی سلمان شاہ کو مبارک باد دینا چاہتا ہے۔ مگر وہ چاروں آج یونیورسٹی سے غائب ہیں۔"

"تو تمہیں کیا مصیبت پڑی ہے؟ کہ پیریڈ چھوڑ کر اُسے تلاش کرتی پھر رہی ہو۔" مناہل نے تپ کر کہا۔

"بھئی! وہ ہمارے ڈیپارٹمنٹ کا ہے مبارک باد دینا ہمارا فرض بنتا ہے۔ اور پھر میں اُس سے نوٹس وغیرہ کا بھی معلوم کرنا چاہ رہی تھی۔ اگر وہ دے دے تو میری اور تمہاری بھی پوزیشن بن سکتی ہے۔"

"تمہارا تو دماغ خراب ہے۔ اگر اسی طرح پیریڈ بنک کرتی رہی ناں تو ضرور آئے گی تمہاری پوزیشن۔" مناہل نے چڑ کر کہا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گئی

☆.....☆.....☆

"تو تم چھٹیوں میں گاؤں جا رہی ہو؟" سروش نے کہا تھا۔

"ہاں! تم بھی چلتے ناں! تم بھی تو اب فارغ ہی ہو۔" مناہل نے کہا۔

"فارغ کہاں؟ جاب کے لئے ایک جگہ انٹرویو دینے جانا ہے کل۔ دیکھو کیا ہوتا ہے؟ پھر جاب کی مصروفیات ہونگیں اور ہم ہونگے۔" سروش نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔ نائٹ ڈیوٹی تو ویسے ہی کافی سال سے کر رہا تھا۔ کہ باپ کے بعد وہی گھر کا بڑا تھا۔ پھر فرحت کی شادی کی ذمہ داری بھی اسے ہی نبھانی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے مگر تھوڑے دن کے لئے ساتھ چل پڑتے۔ تھوڑا ریسٹ مل جاتا۔" مناہل نے اُسے محبت پاش نظروں سے دیکھا۔

"ابھی ریسٹ کرنے کے دن نہیں آئے۔ اور پھر گاؤں میں اب ہے ہی کون۔ ماں کے جانے کے بعد میں دوبارہ نہیں گیا۔ اور اب دل بھی نہیں چاہتا۔ اپنا ہنستا بستا گھر ویران دیکھا نہیں جاتا۔" مناہل نے دُکھ سے اُسے دیکھا۔

"ہیلو! کیا ہو رہا ہے بھئی!" وہ دونوں سیڑھیوں پر بیٹھے تھے جب اچانک ہی شانزے چلی آئی۔

"کچھ خاص نہیں! بس یہی کہ وقت کتنی جلدی گزر جاتا ہے ناں! کل کی بات لگتی ہے جب ہم یہاں ایڈمشن لینے آئے تھے اور اب دیکھو سال گزر بھی گیا۔" آج ان لوگوں کا لاسٹ ڈے تھا۔ پیپرز ہو چکے تھے۔ سب ہی چھٹیوں میں اپنے اپنے پروگرام سیٹ کر رہے تھے۔

"ہاں! وقت اچھا ہو تو یونہی گزر جاتا ہے۔" شانزے نے کہا۔

"اچھا بھئی! خواتین آپ لوگ باتیں کرو میں چلا۔" سروش ہاتھ ہلاتا وہاں سے چلا گیا۔

"مناہل تمہیں گاؤں جانے کی اتنی بھی کیا جلدی ہے؟ کم از کم فائنل والوں کو دی جانے والی فیئر ویل پارٹی تو اٹینڈ کر لو۔" شانزے نے پھر اُسے روکنا چاہا۔

"میں ضرور رُکتی مگر بابا جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ دو بار چاچی کا خط آ چکا ہے میں نے یہ عرصہ بھی اتنی مشکل سے گزارا ہے۔" مناہل نے اپنی پریشانی بتائی جس پر وہ چُپ ہوگئی۔

"یہ سفیان ہے ناں! فائنل ایئر کا! سلمان شاہ کا دوست۔" شانزے نے سامنے سے آتے سفیان کو دیکھ کر کہا۔

"ہاں! وہ ہی ہے" مناہل نے مختصراً کہا۔

"مگر یہ ہماری طرف کیوں آ رہا ہے؟" شانزے نے اُسے قریب آتے دیکھ کر کہا۔

"چلو! اندر چلتے ہیں۔" مناہل ایک دم ہی کھڑی ہوگئی تو شانزے کو بھی اُٹھنا پڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ مڑ کر اندر کی طرف قدم بڑھاتیں سفیان نے انہیں پکارا۔

"Excuse me" لیڈیز!" وہ دونوں ہی رُک کر اُسے دیکھنے لگیں۔

"آئی وانٹ ٹو ٹاک مس مناہل!" سفیان نے مہذب انداز میں اُسے کہا جو انجان بنی سائیڈ میں کھڑی تھی۔

"مجھ سے...؟" وہ ایک دم ہی چونک پڑی۔ شانزے بھی خاموش کھڑی اُسے دیکھنے لگی۔

"جی!" شانزے کا اشارہ پا کر وہ بولی۔

☆.....☆.....☆

"ایکسکیوزمی! مسٹر سلمان شاہ! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" ان تینوں کے بے حد اصرار پر وہ آج یونیورسٹی آیا تھا۔ اُس وقت وہ چاروں کینٹین میں بیٹھے تھے۔ جب اچانک ہی مناہل اُسے دکھائی دی۔ اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب وہ سیدھی چلتی ہوئی اُس تک گئی تھی اور اسے مخاطب کیا تھا۔

"جی!" سلمان ایک دم ہی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ وائٹ کلر کے سمپل سوٹ میں لمبے سیاہ بالوں اور بے تحاشہ حسین چہرے کے ساتھ وہ بغیر کسی خاص آرائش کے بھی بہت حسین اور دل کو چھو رہی تھی۔

"آپ خود کو سمجھتے کیا ہیں؟ آپ ہیں کیا؟ آخر کس بناء پر آپ نے مجھے پرپوز کیا ہے؟ آپ نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میں اور آپ...! یونیورسٹی کی ہر دوسری لڑکی کے آپ ڈریم بوائے ہونگے۔ مگر میرے نزدیک...! جاننا چاہتے ہیں میرے نزدیک آپ کی کیا عزت ہے؟ سخت زہر لگتے ہیں آپ مجھے۔ رعب سے دھونس سے اپنے کام نکلوانے والے۔ آپ نے سمجھ کیا رکھا تھا کہ آپ خاصے ڈیشنگ ہیں، ہینڈسم ہیں، دولتمند ہیں تو میں فوراً سروش کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ چل پڑوں گی؟ آپ نے مجھے بہت غلط لڑکی سمجھا۔ مگر اس میں آپ کا کیا قصور انسان جیسا ہوتا ہے اُسے باقی سب بھی ویسے ہی دکھائی دیتے ہیں۔ سُن لیجئے مسٹر سلمان شاہ! سروش بیشک غریب ہے۔ آپ کی طرح یونیورسٹی میں فیمس نہیں، نہ ہی وہ آپ کی طرح نمبر لگوا کر پوزیشن ہولڈر بن سکتا ہے مگر وہ جیسا بھی ہے مجھے پسند ہے۔ میری آپ سے ہمبل ریکوئسٹ ہے کہ پلیز آئندہ میرے راستے میں مت آئیے گا آپ مجھ سے جتنا دور رہیں میرے لئے اُتنا ہی اچھا ہے۔ پلیز! مجھے رسوا مت کروا دیجئے گا میں نہیں چاہتی کہ میرا بھی اسکینڈل ڈیپارٹمنٹ کی در و دیوار پر چھپے۔ خدارا! مجھے بخش دیں۔" وہ جس طرح آندھی طوفان کی طرح آئی تھی۔

اُسی طرح چلی بھی گئی۔ پھر جاتے وقت اُس کی آنکھوں میں آنسو اُسے بے چین کر گئے تھے۔ کیا کہہ گئی تھی وہ۔ جس کے لئے اُس کے دل میں صرف محبت ہی محبت تھی وہ اُس سے نفرت کرتی تھی کس کیٹیگری میں کھڑا کر گئی تھی اُسے۔ شدت ضبط سے اُس کا چہرہ سُرخ ہو گیا' ہاتھ میں پکڑا کپ اِس سختی سے دبایا کہ وہ ہاتھ میں ہی کرچی کرچی ہو گیا۔

''کون گیا تھا؟ مناہل کے پاس۔'' سلمان نے اُن تینوں کو دیکھا۔ جبکہ وہاں مکمل خاموشی تھی۔ سلمان کے ہاتھ سے خون رسنے لگا۔

''میں نے پوچھا کون گیا تھا؟ میرا پروپوزل لے کر؟'' اب کے سلمان بُری طرح دھاڑا تھا۔ کینٹین میں اُس وقت زیادہ لوگ موجود نہیں تھے مگر جتنے تھے وہ سب اب ان کی طرف متوجہ ہو چکے تھے۔

''مم... میں!'' سفیان منمنایا اُس نے اپنی طرف سے ایک آخری کوشش کر کے دیکھی تھی کہ اس سے سلمان کا یہ شکستہ انداز دلیجہ دیکھا نہیں جاتا تھا۔ اُس نے مناہل کو بہت سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ سروش اور سلمان میں واضح فرق اُسے سمجھایا تھا۔ مگر اس کا اتنا غلط ری ایکشن سامنے آئے گا اُس نے اس طرف تو دھیان دیا ہی نہیں تھا۔ سلمان نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔ مگر سب کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا کہ بہر حال اسے اپنا اور اپنی محبت کا تماشہ بنانا ہرگز منظور نہیں تھا۔ سلمان نے ٹوٹے کپ کی کرچیاں سائیڈ میں پھینکیں اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکلتا چلا گیا۔

''جب عقل نہیں ہے تو ہیرو بننے کی ناکام کوشش کرنا لازمی تھی؟''

''بہت شوق ہے رشتے کرانے والی خالہ بننے کا۔'' زین اور علی دونوں نے اُسے دھمو کے جڑ دیئے تھے۔ اور پھر ان تینوں کی ہر کوشش ناکام ہوئی مگر سلمان کی ناں ہاں میں نہیں بدلی۔ اُس نے دوبارہ یونیورسٹی نہ جانے کی جو قسم کھائی تھی اُس پر ڈٹا رہا۔ نتیجتاً فیئر ویل پارٹی میں کلاس فیلوز کے بے حد اصرار پر بھی وہ چاروں نہیں گئے۔ سفیان نے سلمان کو ساری بات کلیئر کر کے اپنی غلطی کی معافی مانگ لی تھی۔ جسے سلمان نے فوراً مُعاف کر دیا تھا کہ بقول اُس کے جب اس کے دل میں میرے لئے بدگمانی اور نفرت ہے تو اُسے کون ختم کر سکتا ہے۔ پیپرز تو ہو چکے تھے اب ان چاروں کو اپنے رزلٹ کا انتظار تھا یوں فارغ بیٹھنا ان چاروں کو منظور نہ تھا۔ چنانچہ باہمی مشورے سے انہوں نے کوچنگ سینٹر کھولنے کا ارادہ کیا جس گھر میں وہ لوگ رہتے تھے ٹھیک ٹھاک بڑا گھر تھا سو نیچے کے پورشن پر انہوں نے کوچنگ سینٹر کھول لیا۔ سلمان کو اگرچہ اتنا کھڑاک پالنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی وہ بیٹھ کر بھی کھاتا تو کم نہ ہوتا۔ مگر اُسے بیٹھنا پسند نہیں تھا اور پھر تینوں دوستوں کے فیوچر کا بھی سوال تھا۔ یوں انہوں نے 9th، 10th سے لے کر M.Sc تک کے اسٹوڈنٹس کے لئے کوچنگ کا آغاز کر دیا۔ پڑھائی میں وہ چاروں ہی شارپ تھے زید کچھ اور کلاس فیلوز کو ٹیچنگ کی آفر کر دی ان کی دن رات کی محنت کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا کوچنگ مشہور ہوتا چلا گیا۔ کچھ سلمان شاہ کی جان پہچان کام آئی۔ یوں ان کے سینٹر کا کراچی کے مشہور کوچنگ سینٹرز میں شمار ہونے لگا۔

☆......☆......☆

قطار در قطار سفیدے کے لمبے درختوں سے گھری سڑک ہمیشہ سے اُس کی دلچسپی کا باعث بنتی تھی۔ بہت ساری چیزیں کبھی بھی ذہن سے محو نہیں ہوتیں۔ پورے سیاق وسباق کے ساتھ حافظے میں محفوظ رہتی ہیں۔ اس سڑک

اور اس کے اِرد گرد پھیلی ہوئی زرخیز اراضی کی بھی یہی انفرادیت تھی۔ اس اراضی کے چپے چپے سے اس کی خوشگوار یادیں وابستہ تھیں۔ مناہل بابا جان سے ملنے کے لئے بے تاب جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی۔ گاؤں کی بے حد صاف ستھری اور دھلی دھلی فضا میں وہ حویلی کی طرف جانے والے راستے پر سفر کر رہی تھی۔ جدید اور قدیم طرزِ تعمیر کے امتزاج سے بنی یہ وسیع وعریض حویلی اپنی مثال آپ تھی۔ مناہل دونوں ہاتھوں سے اس کا بیرونی دروازہ دھکیلتی اندر چلتی چلی گئی۔

''آ گئی میری دھی رانی!'' سب سے پہلے اُسے چاچی دکھائی دیں۔ وہ دونوں ہاتھ وا کئے اُس کی طرف بڑھیں اور اُسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

''بابا جان! کہاں ہیں؟ چاچی!'' مناہل نے فوراً پوچھا۔

''اپنے کمرے میں ہیں' جا تجھے بہت یاد کر رہے ہیں۔'' چاچی نے اس کے ماتھے پر پیار کیا تو وہ مسکراتی ہوئی اندر بڑھ گئی۔

''سلام! بابا جانی! مناہل چہکتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ چوہدری اسد اللہ خان نے ذرا کی ذرا آنکھیں کھولیں تو سامنے ہی اس کا ہنستا مسکراتا چہرہ دکھائی دیا جسے دیکھ کر ہی ان کے چہرے پر جیسے بہار اُتر آئی۔ انہوں نے دونوں بازو وا کر دیئے۔ مناہل فوراً ہی اُن میں سما گئی اور ان کے سینے پر سر ٹکا دیا۔

''کیسی ہے میری بیٹی!'' انہوں نے کمزوری آواز میں کہا۔

''میں تو بالکل ٹھیک ہوں مگر آپ کو کیا ہوا؟ اتنا کمزور ہو گئے ہیں۔'' مناہل نے فکرمندی سے کہا۔

''بس اپنی بیٹی کی جُدائی میں ہو گیا' اب دیکھو تم آ گئی ہو ناں! کیسے ٹھیک ہوتا ہوں۔'' بابا کی بات پر مناہل ہنس دی۔ اور پھر سے سر ان کے سینے پر ٹکا دیا۔ اور پُرسکون سی ہو کر آنکھیں موند لیں۔ وہ شاور لے کر سو گئی تھی جب اُٹھی تو شام ڈھل چکی تھی۔ اُس نے دیوار پر لگے قد آدم آئینے میں اپنا جائزہ لیا پنک کاٹن کے سوٹ پر سیاہ کشمیری کڑہائی سے بوجھل دوپٹہ لئے وہ خاصی فریش لگ رہی تھی۔ کھلے بالوں کی چٹیا بنا کر اُس نے دوپٹہ اوڑھ لیا اور باہر آ گئی۔

''چھوٹی بی بی! اُٹھ گئیں! میں آپ کو ہی بلانے آ رہی تھی۔ وہاں سب کھانے پر آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔'' رانو نے اُسے سیڑھیوں پر ہی پیغام دیا تو وہ سر ہلاتی ڈائننگ ہال میں چلی گئی۔ وہاں سب ہی ٹیبل پر اس کے منتظر تھے چاچی، چاچا کے ساتھ ان کے تینوں سپوت بھی وہاں براجمان تھے۔

''سلام! چاچا سائیں!'' مناہل نے چوہدری اسد اللہ کے آگے سر جھکایا۔

''وعلیکم اسلام! جیتی رہو۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ شہباز لالہ ارباز اور اعجاز کو سلام کرتی چاچی کے برابر کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ جبکہ ارباز کی نگاہیں اس کے صبیح چہرے پر چپک کر رہ گئی تھیں۔ پچھلی بار جب وہ آئی تھی تو جب اس کا ارباز سے سامنا نہیں ہو سکا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ شکار پر گیا ہوا تھا۔ اب ارباز اُسے تقریباً دو ڈھائی سال بعد دیکھ رہا تھا اور مسلسل دیکھے ہی جا رہا تھا۔

''بابا! کھانا نہیں کھا رہے؟'' مناہل نے بابا کی کمی محسوس کی۔

''نہیں! وہ دوا کھا کر سو رہے ہیں۔'' چاچی نے کہا۔

''تو وہ کھانا نہیں کھائیں گے؟'' مناہل نے پھر پوچھا۔

''بیٹا! ان کے لئے الگ سے پرہیزی کھانا بنتا ہے۔ وہ کھا چکے ہیں۔'' چاچی کی بات پر وہ سر ہلاتی پلیٹ میں سالن نکالنے لگی۔ جبکہ دل و دماغ مسلسل بابا کی بیماری سے پریشان تھے۔ اُسے مسلسل خود پر کسی کی نگاہوں کی تپش محسوس ہو رہی تھی۔ اُس نے جونہی نگاہ اُٹھائی تو سامنے ہی ارباز اپنی آنکھوں میں وارفتگی لئے اُسے تک رہا تھا۔ مناہل نے فوراً ہی نگاہیں جھکالیں مگر وہ زیادہ دیر خود کو وہاں روک نہ پائی اور تھوڑا سا کھا کر بابا کے کمرے میں چلی آئی۔

☆.....☆.....☆

سردیوں کی نرم گرم دھوپ پھیلی تھی۔ مناہل برآمدے میں بیٹھی چاچی سے بالوں میں تیل لگوا رہی تھی کہ بقول ان کے پڑھ پڑھ کر دماغ پر خشکی آگئی ہوگی۔ دوپٹہ سائیڈ میں رکھے پُشت پر بال پھیلائے دونوں گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے وہ چاچی سے اِدھر اُدھر کی باتوں میں مصروف تھی کہ اچانک ہی ارباز آکر بالکل اُس کے سامنے چیئر پر بیٹھ گیا۔ مناہل نے ایک جھٹکے سے دوپٹہ اُٹھا کر شانوں پر پھیلایا اور چہرے پر آئی لٹوں کو ہاتھ سے پیچھے کیا۔ جبکہ ارباز اُسے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ وہی نظریں جو مناہل کو شروع سے زہر لگتی تھیں اس کے دیکھنے کا انداز بہت عجیب سا ہوتا۔ پاکیزگی اور شرافت سے خالی۔ خباثت لئے وہ اُسے بیہودگی سے تکتا رہتا۔

''آگیا پتر! دیکھ میں اپنی مناہل کو کہہ رہی تھی کہ پڑھ پڑھ کر کیسی شکل نکل آئی ہے اس کی۔'' چاچی کی بات پر وہ اک بار پھر اُسے دیکھنے لگا۔

''کہاں اماں! بلکہ یہ تو بڑی ہو کر، شہر جا کر اور زیادہ سوہنی ہوگئی ہے۔'' ارباز نے آنکھوں میں شوخی لئے کہا۔

''تم بڑی ہو کر مزید خوبصورت ہوگئی ہو۔'' قریب ہی سروش کی آواز ابھری تھی۔ کس قدر فرق تھا دونوں کے انداز و لہجہ میں۔

''وہ تو خیر یہ ہے ہی سوہنی۔ مگر اتنا پڑھ کر کیا کرے گی؟ بس اب ختم کر یہ آفت اور آرام سے گھر میں ہمارے ساتھ رہ۔'' مناہل کو آئے کافی دن ہوگئے تھے اور چاچی کتنی ہی بار یہ بات کہہ چکی تھیں۔

''ہاں! اماں! صحیح کہتی ہے۔ جان چھڑاؤ اس فضول جھنجھٹ سے۔ کیا کرنا ہے اتنا پڑھ کر رہنا تو اسی گاؤں میں اس حویلی میں ہے ناں۔'' ارباز نے معنی خیزی سے کہا تو مناہل اُلجھ کر رہ گئی۔

''ہاں! ہاں کیوں نہیں۔ میری بیٹی! ہمیشہ میرے ساتھ رہے گی۔ میں اسے کبھی خود سے دور نہیں کروں گی۔'' چاچی نے محبت سے چور لہجے میں کہا۔ مناہل ناسمجھی کے عالم میں ان دونوں کی باتوں کو سوچنے لگی۔

''چاچی! بابا کی دوا کا وقت ہوگیا ہے۔ میں ذرا انہیں دیکھ لوں۔'' مناہل یکدم ہی اُن کے درمیان سے اُٹھ گئی۔ ارباز نے دور تک اُس حسن کے پیکر کو جاتے دیکھا تھا۔ آج تو وہ اس کے لمبے سیاہ بالوں میں بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں بابا سے اپنی اور مناہل کی شادی کی بات کرنے کا پکا ارادہ کیا تھا۔

☆.....☆.....☆

بابا سائیں! یہ کیا ہو رہا ہے؟ تایا اپنے حصے کی ساری جائیداد مناہل کے نام کر رہے ہیں۔'' شہباز لالہ سخت طیش میں بولے۔

''بیماری نے اس کے دماغ پر اثر کر دیا ہے جو اپنی ساری جائیداد ایک لڑکی کے نام کر رہا ہے۔'' چاچا خود غصے میں تھے۔

''مگر ہم اس معاملے میں کچھ نہیں کر سکتے وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اپنی جائیداد کسی کے نام بھی کرے۔ پھر مناہل اس کی اکلوتی اولاد ہے مگر تم فکر نہ کرو۔''

''کیسے فکر نہ کریں؟ آدھی جائیداد کی وہ تنہا وارث ہے۔ جبکہ اس آدھی جائیداد کہ ہم تین حصہ دار ہیں۔'' سب سے چھوٹے اعجاز نے بابا سائیں کی بات کاٹی۔

''اے! کم عقل! وہ آدھی بھی ہمارے پاس ہی آنی ہے۔'' چاچا کی بات پر وہ تینوں انہیں دیکھنے لگے۔

''وہ کیسے؟'' شہباز لالہ نے آبرو چڑھائی۔

''وہ ایسے کہ مناہل کی جائیداد شادی کے بعد اس کے شوہر کی بھی ہوگی' اور مناہل بچپن سے اپنے ارباز کی منگ ہے۔ بابا سائیں نے مناہل کے پیدا ہوتے ہے اس کا ننھا سا ہاتھ تین سالہ ارباز کے ہاتھ میں پکڑا دیا تھا اور ہم دونوں بھائیوں کے درمیان ایک اور رشتہ قائم کر دیا تھا۔ اس لئے تم لوگ اطمینان رکھو'' چاچا کی بات پر ارباز کا چہرہ کھل اُٹھا۔ یعنی وہ تو بچپن ہی سے اسی کی تھی۔ اس پر اسی کا حق ہے۔

''بابا سائیں! تو آپ پہلی فرصت میں تایا سے شادی کی بات کریں۔ کہیں وہ مناہل انکار نہ کر دے۔'' ارباز کا بس چلتا تو ابھی کے ابھی مناہل سے نکاح پڑھوا لیتا۔ مناہل کے ساتھ ساتھ وہ آدھی جائیداد کا بھی مالک بننے والا تھا۔ اسے بے اختیار اپنی قسمت پر اور دادا جان کے فیصلے پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

''ہاں! بابا سائیں! ارباز صحیح کہتا ہے۔ آپ کل ہی تایا سے بات کریں۔ کہ فوراً ان دونوں کا نکاح پڑھوا دیتے ہیں۔ مجھے بھی اب مناہل وہ پہلے والی مناہل نہیں لگتی۔ شہر کی ہوا اور پڑھائی نے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ دیکھتے نہیں کتنا الگ رہتی ہے وہ ہم سب سے۔ سال میں ایک چکر لگاتی ہے اور پھر ہفتے بھر میں اسے شہر کی یاد ستانے لگتی ہے'' یہ شہباز لالہ کا خیال تھا۔ جس پر ارباز نے بھی اتفاق کیا تھا۔ چودھری اسد اللہ کسی گہری سوچ میں دکھائی دینے لگے۔

☆.....☆.....☆

زمیں پر بھیج دیا خیر مصلحت اس کی
تمہیں تو چاند بنایا تھا آسماں کے لئے

مناہل اپنے کمرے میں جا رہی تھی جب راہداری میں ارباز نے اس کا راستہ روک لیا۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟ ہٹو سامنے سے۔'' مناہل کو اس کا بیہودہ انداز میں پڑھا گیا شعر بری طرح تپا گیا۔

''بدتمیزی نہیں ہے تمہارے حسن کی تعریف کر رہا تھا۔ کتنا مکمل حسن ہے۔'' ارباز نے انگلی سے اس کے گالوں کو چھوا تو وہ کرنٹ کھا کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

''یہ کیا بیہودگی ہے؟ تم ہوش میں تو ہو ارباز!'' مناہل خوفزدہ سی ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔ کھانا کھا کر سب ہی اس وقت اپنے اپنے کمروں میں تھے۔ جس جگہ وہ دونوں کھڑے تھے وہاں مکمل تاریکی اور خاموشی تھی۔ بس سیڑھیوں پر مدھم بلب جل رہا تھا۔

''تمہارے حسن کے سامنے کون کافر ہوش میں رہ سکتا ہے' اور ویسے تم مجھ سے اتنا دور دور کیوں بھاگتی ہو؟ آنا تو میرے پاس ہی ہے تمہیں جانِ من۔'' ارباز آنکھوں میں غلاظت لئے اُسے دیکھ رہا تھا۔

''تمہارے پاس؟ دماغ ٹھیک ہے تمہارا!'' مناہل نے اسے گھورا

''اور...!اور! آئندہ مجھ سے اتنے بیہودہ انداز میں بات نہ کرنا۔'' اس نے تنبیہ کی۔
''جانِ من! ہی تو کہا ہے۔ اس میں بھلا بیہودگی کہاں سے آ گئی؟ تم میری ہونے والی بیوی ہو۔ تمہیں نہیں کہوں گا تو کسے کہوں گا؟'' ارباز معصومیت سے بولا۔
''بیوی! اور تمہاری؟ شکل دیکھی ہے اپنی۔'' مناہل بھنا کر رہ گئی۔
''ظاہر ہے میری بچپن کی منگ ہو تو بیوی بھی میری ہی بنو گی ناں!'' ارباز اطمینان سے بولا۔
''بچپن کی منگ!'' مناہل پوری جان سے لرز گئی۔ ان کی خاندانی روایت میں منگنی کو نکاح سے کم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اور لوگ اس ناپائیدار نازک سے رشتے کے پیچھے جان تک پر کھیل جایا کرتے تھے۔ کہ ذرا سی بات کو انا کا مسئلہ بنانا اور پھر سالوں جھگڑوں میں الجھے رہنا یہاں کے لوگوں کا محبوب مشغلہ تھا۔
''حیران ہو رہی ہو ناں! مجھے جب پتہ چلا تو مجھے بھی حیرانی ہوئی تھی۔ مگر پھر میں خوشی سے جھوم اُٹھا کہ جو لڑکی مجھے اچھی لگتی ہے وہ تو بچپن سے میری ہی ہے۔'' ارباز کیا کہہ رہا تھا اس کی کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ تو اپنی ہی سوچوں میں گم تھی۔ ہوش میں جب آئی تب اپنے ہاتھ پر اسے کسی کا لمس محسوس ہوا۔ ارباز نے ایک دم ہی اس کے ہاتھوں کو تھام کر ہونٹوں سے لگایا تھا۔ مناہل کو اس سے اس حد تک جانے کی توقع نہیں تھی۔ وہ اسے سائیڈ میں دھکیلتی بھاگتی چلی گئی۔
''مناہل رکو تو! بات تو سنتی جاؤ!'' ارباز پیچھے اسے پکارتا رہ گیا مگر مناہل بابا کے کمرے جا کر ہی رکی تھی۔

☆.....☆.....☆

بابا کے سینے میں منہ چھپاتی وہ بہت دیر تک روتی رہی۔ بابا کے لاکھ پوچھنے پر بھی وہ ارباز کی بے ہودہ باتیں انہیں بتا نہیں سکی تھی۔ اسے شدت سے آج ماں کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔
''مناہل بیٹا! کیوں بابا کو پریشان کر رہی ہو؟ بتاؤ تو سہی آخر ہوا کیا ہے۔ کس نے کیا کہا ہے تمہیں؟ بتاؤ میری جان!'' بابا نرمی سے اس کا سر سہلا رہے تھے۔ مناہل ایک دم ہی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اور اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔
''بولو بیٹا! کیا بات ہے؟'' بابا نے اس کے ہاتھ پکڑے اور شفقت سے بولے۔
''بابا...! بابا! وہ....!'' مناہل الجھ کر رہ گئی۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح پوچھے مگر بات کنفرم کرنا بھی ضروری تھی۔ کیا پتہ وہ یونہی بکواس کر رہا ہو۔
''ہاں! ہاں! بولو بیٹا! تمہاری ماں نہیں ہے۔ مگر میں نے کبھی اس کی کمی تمہیں محسوس ہونے نہیں دی۔ جو بھی بات ہے تم کھل کر مجھ سے کہہ سکتی ہو۔'' بابا اس کی جھجک کو سمجھ گئے تھے۔
''بابا! کیا ارباز کا اور میرا بچپن سے رشتہ طے ہے؟'' مناہل نے ہمت کر کے آخر بول ہی دیا۔ بابا ایک دم سے خاموش ہو گئے۔ جبکہ مناہل کو ان کی یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔
''بولیں ناں! بابا! کیا یہ بات درست ہے؟'' مناہل نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔
''کاش! کاش بابا کہہ دیں کہ نہیں! ایسا نہیں۔ وہ ارباز بکواس کر رہا ہے۔ مگر یہ کیا....؟'' بابا کا اثبات میں ہلتا سر۔ مناہل کو لگا کہ ابھی اس کا دل بند ہو جائے گا۔ تقدیر نے کیا ستم کیا تھا اس پر۔
''یہ بڑے کیوں ہمارے بڑے ہونے کا انتظار نہیں کرتے؟ کیوں ہمارے بچپن میں ہی ہماری زندگیوں کا فیصلہ

کر دیتے ہیں؟ کیوں؟'' مناہل کے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے۔
''مناہل! میری جان رو نہیں۔ میں خود ایسا نہیں چاہتا تھا۔'' بابا نے جھک کر اس کے آنسو پونچھے جبکہ وہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔
''میں خود بچپن کے ان رشتوں کے خلاف ہوں۔ مگر تمہارے دادا اپنے آگے کسی کی چلنے نہیں دیتے تھے انہوں نے ہی تمہارا اور ارباز کا رشتہ طے کیا تھا۔ میں ایسا نہیں چاہتا تھا اور اب بالکل بھی میں ایسا نہیں چاہتا۔'' بابا کی بات پر مناہل نے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔
''ہاں! بیٹا! میں جانتا ہوں کہ تم اس ماحول میں نہیں رہ سکتی ہو۔ اور ارباز...! اس بگڑے ہوئے لڑکے کے ساتھ میں کبھی بھی تمہاری شادی نہیں ہونے دوں گا۔ تم بے فکر رہو۔ جتنا بُرا وہ تمہیں لگتا ہے اتنا ہی بُرا وہ مجھے بھی لگتا ہے۔ لفنگا اوباش لڑکا۔'' مناہل کو یکدم ہی تپتی دھوپ میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کا سا احساس ہوا تھا۔
''مناہل بیٹا! میں نے اپنی ساری جائیداد تمہارے نام کر دی ہے۔ سامنے الماری میں نیچے والے سیف میں سارے کاغذات موجود ہیں۔ انہیں حفاظت سے رکھنا۔ اب ان کی تم مالک ہو اور تمہارے بعد تمہارا شوہر۔''
''کیوں بابا! میں کیوں؟ آپ جو ہیں مجھ سے یہ سب نہیں سنبھالا جائے گا۔ آپ اپنا کام خود کیجئے اور میرے نام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' مناہل نروٹھے پن سے بولی۔
''ہے بیٹا! ضرورت ہے! ابھی تو یہ کام کیا ہے۔ بس تم ہماری اس خاندانی جائیداد کی حفاظت کرنا کسی غلط ہاتھوں میں اسے نہ جانے دینا۔'' بابا کا انداز اسے چونکا گیا۔ دو دن سے ان کی طبیعت بھی معمول سے زیادہ خراب تھی۔
''بابا! بابا آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟'' مناہل نے اپنے ہاتھوں کے گھیرے میں ان کا چہرہ لیا۔
''بس بیٹا! شاید اب زندگی اور مہلت نہ دے۔ بس زندگی کے آخری دن اپنی بیٹی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔'' بابا نے کمزور سے لہجے میں کہا۔
''بابا! بابا پلیز! میں رو دوں گی۔ آپ مجھ سے ایسی باتیں نہ کیا کریں اور کون ہے میرا آپ کے علاوہ؟ بولیں! آپ چلے جائیں گے تو آپ کی بیٹی کا خیال کون رکھے گا؟'' مناہل بُری طرح رونے لگی۔
''ارے! ارے! یہ کیا! میری بہادر بیٹی رونے لگی۔ ارے! میں تو یونہی تمہیں تنگ کر رہا تھا۔'' بابا نے اسے چُپ کرایا کہ وہ اسے روتا ہوا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ مگر کیا کرتے مجبور تھے۔ ڈاکٹرز بہت پہلے نا اُمیدی ظاہر کر چکے تھے۔ اب تک وہ جانے کیسے جی رہے تھے۔
''مناہل! میں چاہتا ہوں اپنی زندگی میں تمہاری شادی کر دوں۔ بیٹا! مجھے تمہاری فکر لگی رہتی ہے۔'' بابا کی بات پر وہ انہیں دیکھنے لگی۔
''تم ایسا کرو! آجکل میں سروش کو گاؤں بلوا لو۔ کیونکہ میرے نزدیک اس سے اچھا لڑکا تمہارے لئے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔'' یہ بابا کیا کہہ رہے تھے وہ تو یہ سوچ کر ہی پریشان ہو جاتی تھی۔ کہ کیسے بابا کو سروش کے متعلق بتائے گی مگر یہ کیا۔ بابا خود اُسے سروش کو بُلانے کے لئے کہہ رہے تھے۔
''بابا! آپ....!'' مناہل ایک دم ہی ان کے گلے لگ گئی۔ ساری پریشانی ختم ہو گئی تھی۔ زندگی ایک دم سے حسین لگنے لگی تھی۔ جبکہ بابا آسودگی سے مسکرا دیئے۔

☆.....☆.....☆

آج بہت دنوں بعد بڑا چمکیلا دن نکلا تھا۔ بہت دنوں تک بادلوں کی اوٹ میں آنکھ مچولی کھلتا شاہ خاور پوری آن بان کے ساتھ آسمان کے شفاف سینے پر چمک رہا تھا۔ خواتین کی خوشی دیدنی تھی، گاؤں کی مغربی سمت سے بہہ کر آنے والی نہر کے صاف شفاف پانی میں کپڑے دھل رہے تھے تو کہیں پاؤں پانی میں ڈال کر بیٹھی ہوئی لڑکیاں دھوپ کی تمازت سے سرخ چہرے لئے ایک دوسرے کے ساتھ موج مستیوں میں مصروف تھیں۔ اِکا دُکا گھروں میں پلنے والے پالتو جانور اپنی اپنی چراگاہوں میں مگن و مصروف تھے۔ چیڑ، دیودار اور سفیدے کے درخت دھل کر نکھر سے گئے تھے۔ اور ان کی شاخوں سے جھانکتی سورج کی کرنیں دھوپ چھاؤں کا بڑا خوبصورت منظر پیش کر رہی تھیں۔ مناہل جب سے گاؤں آئی تھی آج پہلی بار گاؤں کی لڑکیوں کے ساتھ کھیتوں میں آئی تھی۔ اندر کا موسم اچھا ہو تو سب کچھ اچھا لگنے لگتا ہے۔ آج وہ بہت خوش تھی۔ اور اس کا اظہار بھی وہ مسلسل کر رہی تھی۔ سب لڑکیاں اپنے طور پر انجوائے کر رہی تھیں۔ جبکہ وہ ان وقتوں کو یاد کرنے لگی۔ جب وہ سروش اور فرحت بھری دوپہر میں انہی جگہوں پر آتے تھے۔ آج بھی سب کچھ ویسا ہی تھا وہی ٹھنڈے صاف شفاف پانی کی بہتی نہر وہی ہرے بھرے کھیت، وہی آم اور امرود کے درخت۔ مناہل امرود کے درخت کے سامنے کھڑی تھی۔ اسے ہرے ہرے کچے امرود بہت پسند تھے۔ سروش روز ہی درخت پر بندر کی طرح لٹک جاتا اور اسے امرود کیچ کراتا۔ کبھی وہ اور فرحت کیری کھانے کے لئے مچل جاتیں۔ مناہل کو وہ دن یاد آیا جب اس کے میٹرک کے ایگزامز کے بعد یونہی معمولی سا ٹمپریچر ہو گیا تھا شاید پیپرز کی ٹینشن تھی۔ جب وہ تین دن بعد کھیتوں میں اپنی مخصوص جگہ پر آئی تو امرود کے درخت کے نیچے خفا خفا سروش اسے دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر ہی اس کے چہرے پر کتنے ہی رنگ اُتر آئے تھے۔

”تمہیں روزانہ دیکھنا میرے لئے بہت ضروری ہو گیا ہے۔ یہ مجھے کسی گڑبڑ کا آغاز لگ رہا ہے۔“ بڑے ذومعنی لہجے میں اس نے احساس کے دریچوں پر دستک دی تھی اور وہ تو گویا کسی ایسی دستک کے منتظر تھے۔ ایک دم وا ہوتے چلے گئے۔ مناہل کے اندر دور تک روشنی ہی روشنی پھیل گئی تھی۔ یہ دریچے کیا کھلے تھے کہ بڑی انوکھی سی خوشبو نے رستہ دیکھ لیا تھا۔ وہ جب بھی آنکھیں موند کر اپنے خیالوں اور خوابوں سے ہم کلام ہوتی۔ تو وہی انوکھی سی خوشبو بالکل غیر محسوس طریقے سے اپنا خُمار کھینچ لیتی۔ اور پھر وہ ہوتی ‘اس کے خواب ہوتے اور ہمسفر خوشبو ہوتی۔ چاہت کی خوشبو، اعتماد اور اعتبار کی خوشبو، اپنائیت اور ارمان کی خوشبو۔ کبھی کبھی کوئی لمحہ زندگی کو مالا مال کر دیتا ہے۔ ایسا ہی ایک لمحہ ان کی زندگی میں بھی آیا تھا‘ جو انہیں مالا مال کر گیا تھا۔ لفظوں سے یقین دلانے کی تو ضرورت ہی نہیں پڑی تھی اور وہ دونوں بڑی مضبوط ڈور میں بندھ گئے تھے۔ مناہل کے لبوں پر بڑی دلکش مسکراہٹ تھی جب ہی اسے رانو کی پکار ماضی کی خوشگوار یادوں سے حال میں لے آئی۔

”چھوٹی بی بی! چھوٹی بی بی!“ رانو دور سے اسے پکارتی دوڑی چلی آ رہی تھی۔

”کیا بات ہے رانو! سب ٹھیک تو ہے؟“ قریب آنے پر مناہل نے پوچھا۔

”چھوٹی بی بی! وہ بڑے چوہدری صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے۔ آپ جلدی حویلی چلو جی! انکی حالت...!“

رانو کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ مناہل حویلی کی سمت اندھا دھند بھاگی تھی۔ مگر شاید خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ حویلی کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ لوگوں کا ہجوم، ہولا دینے والی ویرانی اسے آتے آتے دیر ہو گئی تھی یا پھر بابا کو ہی جانے کی جلدی تھی۔ اسی لئے جاتے جاتے اسے اک نظر دیکھا بھی نہیں۔

”اُن کا دل تو مچلا ہوگا اسے دیکھنے کو، انہوں نے موت کے فرشتے سے چند لمحوں کی مہلت تو مانگی ہو گی۔ تو کیا ملک الموت اتنے ظالم ہوتے ہیں۔ اے کاش میں آج کھیتوں میں نہ گئی ہوتی۔ اپنے بابا کے پاس ہی ہوتی تو شاید ملک الموت کو اس پر ترس آ جاتا اور وہ اس کے بابا کو اس کے پاس چھوڑ دیتا۔“ مناہل بستر پر لیٹے بابا کو اپنی نظر میں بھر لینا چاہتی تھی کہ بس یہی چند لمحے تھے اس کے پاس کہ وہ اپنے بابا کو جی بھر کر دیکھ لے۔ پھر تو یادوں اور تصویروں ہی سے دل بہلانا تھا۔ ایکدم ہی اس کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے اور وہ بابا سے چمٹ کر اس بُری طرح روئی۔ کہ وہاں موجود سب ہی اسے دیکھ کر اشکبار ہو گئے اور پھر وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گئی۔ اسے نہیں پتہ کہ چاچی اسے کس طرح وہاں سے ہٹانے میں کامیاب ہوئی تھیں۔ وہ تو اپنے بابا کا سفرِ رخصت بھی نہ دیکھ سکی تھی۔

نہیں مرتا کوئی کسی کی جُدائی میں مگر
خدا کسی کو کسی سے جُدا نہ کرے

مناہل بھی جی رہی تھی وہ جسے بابا کے وجود کے بناء اس حویلی اور اس کے مکینوں کے درمیان رہنا سوہانِ روح لگتا تھا وہ رہ رہی تھی، زندہ تھی۔ دن اسی طرح گزر رہے تھے۔ سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ سورج ہمیشہ کی طرح نکلتا، شام ڈھلتی اور پھر ہر سو رات کی تاریکی اور چاند کی چاندنی پھیل جاتی۔ مگر مناہل کے اندر تو ہر سو تاریکی ہی تاریکی تھی۔ گہرا جامد سناٹا۔ بابا کے جانے کے بعد مناہل کو چپ سی لگ گئی تھی۔ بس خاموشی سے سب کو تکے جاتی، چاچی کھانے کو کہتیں تو کھا لیتی، وہی اس کے بال بنا دیتیں، کپڑے اس کے ہاتھ میں تھماتیں تو وہ چینج کر لیتی۔ بس یونہی بے مقصد سی زندگی گزر رہی تھی۔ وہ تو یہ بھی فراموش کر چکی تھی کہ وہ صرف ایک ماہ کے لئے آئی تھی۔ اب تو اس کی یونیورسٹی بھی اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ مگر وہ تو جیسے کہیں کھو گئی تھی۔ ہوش میں جب آئی تب اُسے بابا کے چالیسویں کے ہفتے بعد ہی حویلی میں غیر معمولی چہل پہل کا احساس ہوا۔ رانو سے معلوم ہوا کہ چھ دن بعد یعنی جُمعہ کو اس کا ارباز سے نکاح ہو رہا ہے اور یہ سنتے ہی جیسے اس کی تمام حسیات بیدار ہو گئی تھیں۔

”ارباز سے نکاح! یہ تو میرے بابا بھی نہیں چاہتے تھے۔ بابا کی خواہش تو سروش تھی۔“

”سروش...!“ مناہل بیقراری ہوئی اس کا دل چاہا کہ کہیں سے وہ اس کے سامنے آ جائے۔ تو وہ اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روئے‘ اور اس کے مضبوط بازوؤں میں سما کر خود سے بیگانہ ہو جائے۔ صبح ہی وہ چاچی سے اجازت لے کر رانو کے ساتھ کھیتوں کے لئے حویلی سے نکلی تھی وہ پھر سے زندگی کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یہ سوچ کر چاچی نے اسے خوشی خوشی جانے دیا تھا۔ ورنہ شہباز لالہ اور چاچا نے انہیں منع کر رکھا تھا۔ شاید وہ اس کے کسی اقدام سے خوفزدہ تھے۔

”رانو! تُو یہاں رُک! مجھے شہر ایک فون کرنا ہے۔“ وہ لوگ کھیتوں سے بھی کافی دور نکل آئے تھے۔

”سروش کو!“ مناہل نے اس کی مشکل آسان کر دی۔

”سروش باؤ کو؟“ وہ حیرت زدہ سی اسے دیکھنے لگی۔

”ہاں! سروش کو! تُو بچپن سے میرے ساتھ ہے رانو تجھ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔ تُو میرے اور سروش کے متعلق جانتی ہے۔ اور ارباز کی گھٹیا طبیعت سے بھی واقف ہے۔ میں مر تو سکتی ہوں مگر ارباز سے شادی نہیں کر سکتی۔“

”نہ بی بی! نہ...! ایسے نہیں کہتے۔ میں جانتی ہوں کہ چھوٹے چوہدری ارباز کی اور آپ کی شادی اس لئے کرنا

چاہتے ہیں تاکہ بڑے چوہدری کی جائیداد جواب آپ کی ہے، وہ بھی اُن کی ہو جائے۔ میں نے اُس دن خود اپنے کانوں سے چھوٹے چوہدری اور ان کے بیٹوں کی باتیں سنی تھیں۔'' رانو نے مناہل کی سوچ کو یقین دے دیا تھا۔

''آپ پہلی فرصت میں سروش باؤ! کو بتائیں ورنہ یہ لوگ زبردستی آپ کا نکاح کروا دیں گے۔ میں تو آپ کی خوشی میں خوش ہوں بی بی! میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی۔'' مناہل نے بھیگی پلکوں کے ساتھ اس کا شکریہ ادا کیا تھا اور پھر اس کے گلے لگ کر ایک بار پھر رو دی۔

☆.....☆.....☆

''فرحت! تُو...!'' مناہل فرحت کو دیکھ کر ایک دم ہی کھڑی ہو گئی اور پھر دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ کر رو پڑیں یہ یقیناً خوشی کے آنسو تھے۔

''تو کب آئی؟'' کافی دیر بعد اپنے اپنے جذبات پر قابو پا کر وہ بیٹھی باتیں کرنے لگیں۔ فرحت شادی ہو کر دوسرے گاؤں گئی تھی۔

''آج صبح ہی بھائی کا پیغام سن کر آئی ہوں۔'' فرحت نے مناہل کی بات کا جواب دیا۔

''سہ...سروش آ گیا؟'' مناہل نے بیقراری سے پوچھا۔

''ہاں! انہوں نے ہی مجھے بھیجا ہے۔ تو اٹھ میرے ساتھ چل بھائی نے بلوایا ہے۔'' فرحت کی بات پر وہ کھل اُٹھی۔ اب کہیں جا کر اسے سکون کا سانس آیا تھا۔

''چاچی! میں مناہل کو اپنے گھر لے جا رہی ہوں۔'' فرحت نے چاچی سے کہا۔

''ارے! وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہیں بیٹھ کر باتیں کر لو شادی کے بعد پہلی دفعہ آئی ہو۔ کھانا کھا کر جانا۔'' چاچی نے اسے روکنا چاہا تو مناہل پریشان سی ہو کر فرحت کو دیکھنے لگی۔

''نہیں چاچی! ابھی بھوک نہیں۔ میں مناہل کو اپنے گھر لے جانا چاہتی ہوں۔ اچھا ہے اس کا ذرا دل بہل جائے گا۔'' فرحت نے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے لے جاؤ۔ مگر رات سے پہلے آ جانا۔'' چاچی نے اجازت دے دی اور ساتھ مناہل کو جلد آنے کا بھی کہا تو وہ دونوں سر ہلاتی آگے بڑھ گئیں۔

☆.....☆.....☆

''سروش!'' مناہل بیقراری اس کی جانب بڑھی تھی پھر کچھ فاصلے پر ہی اچانک رک گئی۔

''منا! تم ٹھیک تو ہو ناں؟'' سروش نے یکدم اس کے ہاتھ تھام لئے تو وہ سہارا پاتے ہی سسک پڑی۔ اور وہیں اس کے قدموں میں بیٹھتی چلی گئی۔

''منا! منا! پلیز سنبھالو خود کو! حوصلہ رکھو۔ اب میں آ گیا ہوں ناں! سب سنبھال لوں گا۔ پلیز ریلیکس!'' سروش بھی وہیں زمین پر بیٹھ گیا اور اسے دونوں شانوں سے تھاما۔ مگر مناہل تو اسے سامنے پا کر گویا پاگل ہو گئی تھی۔

''فرحت! فرحت پلیز! سنبھالو اسے! سمجھاؤ اس کو۔'' سروش نے بے بسی سے فرحت کو دیکھا۔

''مناہل! ہوش میں آؤ اس وقت یہاں ہمارے علاوہ اور بھی لوگ موجود ہیں۔'' فرحت نے اسے شانوں سے پکڑ کر کھڑا کیا۔ تو مناہل بھی چونک کر اطراف کا جائزہ لینے لگی۔ کمرے میں اس وقت ان تینوں کے علاوہ تین اشخاص اور کھڑے تھے۔ سروش نے پہلے ہی سے سب انتظامات کر رکھے تھے۔ ان تینوں میں سے ایک تو فرحت

کا شوہر آزر تھا۔ دوسرا سروش کا ایک دوست جبکہ تیسرے قاضی صاحب تھے۔ جو آزر اپنے گاؤں سے ساتھ لایا تھا۔ مناہل نے حیرت زدہ ہو کر سروش کو دیکھا تھا اور پھر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مطمئن ہو گئی۔ تھوڑی دیر میں مناہل ان تینوں گواہوں کی موجودگی میں مناہل اسد اللہ سے مناہل سروش بن گئی تھی۔ نکاح نامے پر دستخط کرتے ہی مناہل فرحت کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ اُس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی زندگی میں کبھی یہ موڑ بھی آئے گا۔ کہ اسے یوں چھپ کر نکاح کرنا پڑے گا۔ اس لمحے اسے اپنے یتیم ہو جانے کا احساس ہوا تھا۔ اگر بابا زندہ ہوتے تو کون اس کے ساتھ زبردستی کرنے کا سوچتا۔ اس نے سامنے بیٹھے سروش کو دیکھا۔ جو قاضی صاحب سے نکاح نامے کے بارے میں باتیں کر رہا تھا۔ بابا بھی تو یہی چاہتے تھے۔

''کاش بابا! آپ اپنے سامنے، اپنے ہاتھوں سے یہ سب کرواتے۔ اپنی آنکھوں سے اپنی بیٹی کو دلہن بنا دیکھتے، اپنی دُعاؤں کے سائے تلے اپنی بیٹی کو رخصت کرتے۔''

''آہ! دلہن!'' اس نے اک نظر اپنے سراپے پر ڈالی۔ بلیو کلر کا ملگجا سا سوٹ، پیروں میں عام سی سلیپر، سر پر ہم رنگ دوپٹہ اوڑھے، سادہ سے بال بنائے وہ چارپائی پر پیر لٹکائے بیٹھی تھی۔

اُف! کس قدر بدنصیب ہوں میں، اور کتنی تنہا بھی۔'' مناہل نے آنکھیں میچ کر آنسوؤں پر بند باندھنا چاہا۔ مگر وہ مزید روانی سے اس کے رخسار پر بہنے لگے۔

''منا...!'' سروش نے اس کے سرد ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں دبایا اور دھیرے سے پکارا۔ تو اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ سروش نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو صاف کئے تھے۔ مناہل خود ساختہ خیالوں میں اس قدر محو تھی کہ اسے پتہ ہی نہیں چلا۔ کہ کب کمرے میں موجود افراد اُٹھ کر چلے گئے اور وہ اور سروش تنہا رہ گئے۔

مناہل نے نم آنکھوں سے سروش کو دیکھا تو وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر تک دونوں یونہی ایک دوسرے کو تکتے رہے پھر مناہل نے ہی گھبرا کر پلکیں جھکا لیں۔ جس پر سروش کے لبوں پر دلفریب مسکراہٹ رینگ گئی۔ لمحوں میں ان کے درمیان کتنا مضبوط اور خوبصورت رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ حالات نے کس طرح سے انہیں قریب کر دیا تھا۔

''بھائی! کافی دیر ہو گئی ہے۔ اندھیرا بھی ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے مناہل کو حویلی چھوڑ آئیں۔ چاچی نے بہت مشکلوں سے اجازت دی تھی۔'' فرحت دروازے پر دستک دے کر اندر داخل ہوئی تو وہ دونوں چونک کر پہلے فرحت کو اور پھر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''ح...حویلی!'' مناہل بری طرح لرز گئی اور سروش کے ہاتھوں پر گرفت مضبوط کر لی۔ جبکہ سروش کی کیفیت بھی اس سے کچھ مختلف نہ تھی۔ مگر بہرحال ابھی انہیں اس نکاح کو خفیہ رکھنا تھا۔ جس کے لئے مناہل کا حویلی جانا بہت ضروری تھا۔

''نہ...نہیں! سروش! میں حویلی نہیں جاؤں گی۔'' مناہل نے نفی میں سر ہلایا۔ جس پر فرحت پریشانی سے اسے دیکھنے لگی۔

''ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ۔'' سروش نے اُس کے ہاتھ سہلائے۔

''ابھی تمہارا حویلی جانا بہت ضروری ہے۔ جب تک نکاح نامہ ہمارے ہاتھ میں نہیں آ جاتا۔ تب تک ہمیں اسے خفیہ رکھنا ہوگا۔'' سروش نے اسے سمجھانا چاہا۔

''مگر سروش! تین دن بعد وہاں حویلی میں میرا نکاح ہے۔'' مناہل نے گھبرا کر کہا۔

''تم! فکر نہ کرو کل پرسوں تک آزر ہمارا نکاح نامہ لے آئے گا۔ اور پھر ہم گاؤں چھوڑ کر شہر چلے جائیں گے ہمیشہ کے لئے۔'' سروش نے دھیرے سے کہا۔

''اور ہاں! بی ریلیکس! اب تم مناہل اسد نہیں بلکہ مناہل سروش ہو۔'' سروش نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''میری منکوحہ! اور اب دنیا کی کوئی طاقت تمہیں مجھ سے جدا نہیں کر سکتی۔' مناہل نے بھیگی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا تو سروش کا دل ڈول گیا۔

''اب پلیز! ایسے تو نہ دیکھو۔'' سروش نے گھمبیر لہجے میں کہا۔ جس پر مناہل نے حیا سے نگاہیں جھکالیں۔ دروازے پر کھڑی فرحت نے کھنکھار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ تو سروش ڈھٹائی سے ہنستا ہوا کھڑا ہو گیا۔ جبکہ مناہل بھی مسکراتی ہوئی اٹھ گئی۔ اور پھر سہمے دل کے ساتھ سروش پر الوداعی نظر ڈالتی اس کی دہلیز پار کر گئی۔

''آ گئی مناہل! تیرے چاچا کب سے تیرا پوچھ رہے ہیں۔'' مناہل خاموشی سے اپنے کمرے میں جانا چاہ رہی تھی مگر راستے میں ہی اسے چاچی ٹکرا گئیں۔

''کیوں؟ کوئی کام ہے؟'' مناہل بری طرح چونکی۔

''نہ کام تو کوئی نہیں۔ پر وہ ناراض ہو رہے تھے کہ میں نے تجھے جانے کیوں دیا' اور پھر اندھیرا بھی تو ہو چکا ہے ناں!'' چاچی نے سادگی سے کہا۔ تو مناہل انہیں دیکھے گئی۔ بیشک اسے چاچی سے ماں جیسی محبت تھی اور ان کی نیت پر بھی اسے کوئی شک نہ تھا وہ واقعی اسے اپنے سگے بیٹوں سے بڑھ کر چاہتی تھیں۔

''سوری چاچی! وہ بس باتوں میں پتا نہیں چلا اور وقت گزر گیا۔ بہت دنوں بعد ملے تھے ناں اسلئے۔'' مناہل نے ان کے ہاتھ تھام لئے۔

''چل کوئی نہیں! تُو آ کھانا کھالے۔'' چاچی نے اس کے بال سہلائے۔

''نہیں! مجھے بھوک نہیں ہے۔ وہیں فرحت کے گھر کھالیا تھا۔ بس تھکن ہو رہی ہے میں کمرے میں جا رہی تھی۔'' مناہل اس وقت کسی کا بھی سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اچانک سے اس کی دنیا ہی بدل گئی تھی۔

''ٹھیک ہے پُتر! جا تُو آرام کر۔ جب بھوک لگے کھالینا۔'' مناہل فوراً ہی سیڑھیاں چڑھتی اوپر اپنے کمرے میں آ گئی۔ کس قدر اجنبی معلوم ہو رہی تھی یہ حویلی۔ جہاں اس نے آنکھیں کھولیں اپنی زندگی کے حسین دن گزارے وہی جگہ اب پرائی سی لگ رہی تھی۔ اور سروش کا گھر.....!

ایک بار پھر وہاں جا پہنچی۔ سروش کی باتیں، اس کا انداز مناہل خود ہی خود مسکرائے گئی۔ چند لمحوں میں وہ اس کے لئے کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ اب تو بس وہ اس کی متاع زندگی تھا۔ جینے کی امید، تاریکیوں میں شمع۔ مناہل جہاں خوش تھی۔ وہاں خوفزدہ بھی وہ جانتی تھی کہ جب اس حویلی کے مکینوں کو اس کے نکاح کا پتہ چلے گا تو کتنا بڑا طوفان آئے گا۔

''چاچا، ارباز، شہباز لالہ۔ اُف!'' اس نے جُھرجُھری لے کر آنکھیں کھول دیں۔

''نجانے! اب کیا ہونے والا ہے۔ مگر اے پروردگار عالم! میری بس تجھ سے اتنی ہی دعا ہے کہ جو ہو میرے حق میں بہتر ہو۔ رحم فرما مالک!'' مناہل نے بے اختیار ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی تھی۔

''منا! کہاں رہ گئی تھیں؟ اتنی دیر لگا دی۔'' سروش بے تابی سے اس کی جانب بڑھا تھا۔

''سروش! بہت مشکل سے چاچی سے اجازت لی ہے وہ بھی صرف ایک گھنٹے کی''

''صرف ایک گھنٹہ!'' سروش نے آنکھیں پھاڑیں۔

''ہاں! وہ بھی میں رانو کے ساتھ کھلی ہوا میں سانس لینے کے بہانے آئی ہوں۔ حویلی میں بہت دل گھبراتا ہے۔ پلیز سروش! کچھ کرو۔ کل جمعہ کو میرے نکاح کے وہاں سب انتظامات تیار ہیں میری تو نیندیں تک اُڑ چکی ہیں۔'' مناہل رو دینے کو تھی۔

''تم پلیز! ٹینشن مت لو۔ میں ہوں ناں اس کام کے لئے۔'' سروش نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیا۔ سردیوں کے دن تھے سرِشام ہی کھیتوں میں ویرانی چھا جاتی تھی۔

''میری کل آزر سے بات ہوئی ہے آج رات تک وہ نکاح نامہ لے آئے گا۔ کل ہم سب کے سامنے اپنے نکاح کا ثبوت رکھ دیں گے۔ پھر کوئی کچھ نہیں کر سکے گا۔'' سروش اسے ساتھ لئے ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔

''نہیں سروش! چاچا اور ان کے بیٹے بہت ظالم ہیں۔ وہ اتنی آسانی سے ہمارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ وہ جائیداد کے چکر میں کسی حد تک بھی گزر سکتے ہیں۔ مجھے بہت خوف آ رہا ہے کل کے دن سے۔'' مناہل بہت زیادہ سہمی ہوئی تھی۔

''کم آن یار! فضول میں تم ڈر رہی ہو اور مجھے بھی اپنے ان چچازادوں سے ڈرانے کی کوشش کر رہی ہو۔ کل کے دن کا تو مجھے بے صبری سے انتظار ہے۔ جب میں سب کے سامنے تمہیں اپنی زوجہ محترمہ کا خطاب دوں گا۔ پھر کوئی ہم دونوں کے درمیان نہیں آ سکے گا۔'' سروش نے اس کا دھیان بٹایا۔ ورنہ حقیقت میں تو وہ بھی خوفزدہ تھا۔ کہ چوہدری سرمد اللہ کی سفاکی اور لالچ کی کوئی انتہا نہ تھی۔ انہیں اپنی بھتیجی سے نہیں اس کی جائیداد سے غرض تھا اور یہ بات سروش بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ مگر وہ مناہل کو چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنی محبت کی خاطر جان تک پر کھیلنے کو تیار تھا۔

''کیا! واقعی تمہیں بالکل ڈر نہیں لگ رہا؟ اور یہ سب اتنا ہی آسان ہے۔ جتنا تم سمجھ رہے ہو؟'' مناہل نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

''جی بالکل! اور پھر تم اور میں ایک تو ہو ہی چکے ہیں بس تھوڑی مشکلات کا سامنا کرنا ہے وہ بھی کر لیں گے۔ کہ محبت کے سفر میں راہیں بہت دشوار ہوا کرتی ہیں۔ مگر منزل مل کر رہتی ہے بس ثابت قدمی اور اعتماد کی ضرورت ہوتی ہے۔'' سروش نے اس کے نازک ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔

''اور پھر ہم تو اتنے خوش نصیب ہیں کہ کتنی جلدی اور آسانی سے ایک دوسرے کو پا لیا ہے۔ ورنہ تمہیں حاصل کرنا مجھے زندگی کا سب سے مشکل کام لگتا تھا۔ اور میں ہمیشہ سوچتا تھا کہ کس طرح سے تمہارے بابا سے میں تمہارا ہاتھ مانگوں گا۔ کیونکہ بہرحال ہمارے درمیان جو واضح فرق ہے وہ سارے گاؤں والے جانتے ہیں۔ اور جب گھر میں ہی رشتے موجود ہوں تو پھر.....! مگر کسی نے کہا تھا کہ حقیت، مقام یہ سب محبتوں میں نہیں دیکھا جاتا۔ اور مشکلات سے گھبرانا عاشقوں کا شیوہ نہیں۔ انہیں تو ہر مشکل کے آگے سینہ تان کر کھڑا رہنا چاہئے۔'' سروش کی بات پر مناہل اسے دیکھنے لگی۔

''یہ 'کسی' کون ہے؟ کس نے کہا تھا تم سے یہ سب؟'' مناہل نے پوچھا۔

''تھا کوئی! مجھ جیسے مجنوں کا ہمدرد۔ پتہ ہے مناہل وہ بندہ مجھ سے پہلی بار ملا تھا نام تو خیر میں نے اس کا سن رکھا تھا مگر ملاقات پہلی مرتبہ ہوئی تھی۔ جانتی ہو اس نے مجھ سے یہ تک کہا تھا کہ میں فوراً تم سے شادی

کرلوں کہ یہی ایک پاکیزہ رشتہ ہے مگر جب میں نے اس ظالم سماج کا ذکر کیا تو اس نے خود کو ان سب سے نمٹنے کے لئے پیش کردیا۔ کہا کہ وہ ہماری شادی اپنی جان پر کھیل کر کرائے گا۔ اور مجھے کبھی بھی اس کی ضرورت پڑے تو وہ حاضر ہے۔'' سروش کی بات پر مناہل الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔

''کون تھا وہ؟ سروش!''

''تم! اسے جانتی تو ہوگی۔ تمہارے ہی ڈیپارٹمنٹ کا تھا۔ فائنل ایئر کا۔'' مناہل سانس روکے بیٹھی تھی۔

''سلمان شاہ!'' سروش نے اسی کا نام لیا جسے مناہل نے ذلیل کیا تھا۔

''وہ تم سے کب ملا؟''

''اب تو ملاقات نہیں ہوتی۔ بس شروع میں ایک دو بار ہوئی ہے اچھے ہیں وہ چاروں لڑکے۔ سب کے کام آنے والے مگر وہ سلمان شاہ کچھ پُراسرار سا لگا۔'' اب سروش اسے اپنی ملاقات کے بارے میں بتا رہا تھا۔ مناہل کو یونیورسٹی اور وہاں گزارا وہ ایک سال شدت سے یاد آیا۔ یہاں آکر تو وہ سب کچھ فراموش کر بیٹھی تھی۔ پہلے بابا کی بیماری، پھر ان کا انتقال اور پھر اس کا نکاح۔ اب تو فائنل ایئر کے پیپرز بھی ہوگئے ہونگے۔ شانزے ایم ایس سی کرچکی ہوگی۔

''اے! کہاں کھو گئیں؟'' سروش نے اسے ٹہوکا دیا تو وہ چونک پڑی۔

''آں...! کچھ نہیں تمہاری شانزے سے ملاقات ہوئی؟''

''نہیں! میں جاب کے سلسلے میں اتنا بزی ہوا کہ پھر کچھ اور یاد ہی نہ رہا۔'' سروش اسے اپنی مصروفیت کے بارے میں بتانے لگا تو مناہل اسے سلمان شاہ کے بارے میں سب کچھ بتاتی چلی گئی۔ یہ بھی کہ وہ اس کے بارے میں کس طرح کے خیالات رکھتی تھی۔

''اچھا! بھئی وہ! اتنا کم صم رہتا تھا۔ ویسے مجھے تمہارے خیالات سے اختلاف ہے۔ وہ ایک جینئس اور قابل لڑکا ہے اور اس کی شرافت یہیں سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ کبھی ہم دونوں کے درمیان نہیں آیا۔ اور نہ ہی کبھی تم سے براہ راست کوئی بات کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ اس کا یونی میں کافی ہولڈ ہے۔'' سروش کی بات پر مناہل کو بھی اپنی سوچ غلط لگی۔

''اے مسز سروش! آپ کہاں بار بار چلی جاتی ہیں؟ اتنے تھوڑے سے وقت کے لئے تو آئی ہو۔ پلیز کوئی اپنی بات کرو! اچھی سی بات۔'' سروش نے ٹون بدل کر کہا تو مناہل دھیرے سے مسکرادی۔

''منگلا! کیا بات؟''

''یہی کہ آپ آج بہت حسین لگ رہی ہیں۔ دل چاہ رہا ہے کہ سب کی نظروں سے دور تمہیں اپنے دل میں چھپالوں۔'' سروش نے اس کے حسین سراپے پر نگاہ ڈالی اور خمار آلود لہجے میں کہا تو مناہل سمٹ کر رہ گئی۔ بلیک شفون کے سوٹ میں ہاف سلیوز میں سے اس کے دودھیا بازو نظر آتے بہت حسین لگ رہے تھے۔ سیاہ بالوں میں مانگ نکال کر پیچھے سادہ سی چوٹی کی ہوئی تھی۔ جبکہ اردگرد سے نکلتی آوارہ لٹیں اس کے صبیح چہرے کو حصار میں لئے ہوئے تھیں۔ پیروں میں ہم رنگ سیاہ نازک سی سینڈل پہنے کاندھوں پر شفون کا کڑھائی سے میچ کرتا دوپٹہ ڈالے وہ ایسے وہی مناہل لگی جسے اس نے چاہا تھا۔

''کیا ہے! کیا دیکھ رہے ہو؟'' مناہل نے اس کا تسلسل توڑا۔

''دیکھ رہا ہوں! کہ میری مسز پر کالا کلر بہت خوبصورت لگ رہا ہے۔ شہر جا کر اسی رنگ کی اچھی، اچھی ساڑھیاں خریدوں گا تمہارے لئے۔ پھر تم.....!'' سروش کسی اور دنیا میں پہنچ چکا تھا کہ مناہل نے اس کی بات کاٹ دی۔

''سروش پلیز! تم کہاں پہنچ گئے ہو۔ مجھے حویلی پہنچنا ہے ورنہ چاچی پھر میری وجہ سے ڈانٹ سنیں گی۔'' مناہل کی بات پر سروش نے تڑپ کر اُسے دیکھا۔

''یار۔! ابھی تو آئی ہو۔ ابھی تو ٹھیک سے دیکھا بھی نہیں ہے۔'' سروش نے شکوہ کیا۔

''ایک گھنٹے کا کہہ کر آئی تھی اور اب دو گھنٹے ہونے والے ہیں۔ اچھا نہیں لگتا کہ میری وجہ سے رانو اور چاچی ڈانٹ کھائیں۔'' مناہل کھڑی ہونے لگی جبکہ سروش نے ایک دم ہی اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ جس پر وہ سروش پر گرتے گرتے بچی۔

''کیا کر رہے ہو سروش!'' مناہل ذرا سی قربت پر گھبرگئی۔

''ابھی کچھ کیا ہی کب ہے۔'' سروش نے شرارت سے کہا تو مناہل سرخ پڑ گئی۔

''چھوڑو! مجھے۔'' مناہل نے ہاتھ چھڑانا چاہا۔

''ٹھیک ہے جاؤ! بس آج کا دن ہے۔ پھر دیکھوں گا کہ کیسے بھاگو گی۔'' سروش نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے آزاد کردیا تو وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

مناہل خوبصورت احساسات میں گھری مسکراتی ہوئی حویلی میں داخل ہوئی۔ تو شام کے سائے گہرے ہوچکے تھے۔ رانو تو لاؤنج میں سب کو دیکھ کر اندر کچن کی طرف بڑھ گئی۔ جبکہ مناہل وہیں ٹھہر گئی۔ کہ چاچا، چاچی اور ان کے تینوں بیٹے سب ہی وہاں موجود تھے۔

''کہاں سے آرہی ہو؟'' چاچا نے غصیلے انداز میں کہا تو وہ چونک پڑی۔

''وہ! میں چاچی کو بتا کر گئی تھی۔'' مناہل نے پہلی بار انہیں خود پر غصہ ہوتے دیکھا تھا۔

''کیا بتا کر گئی تھی؟ یہی کہ وہاں تُو کھیتوں میں اپنے یار سے ملنے جارہی ہے۔ ہاں...!'' ارباز نے اسے بری طرح گھورا تو وہ لرز کر رہ گئی۔ کہیں انہیں نکاح کا پتہ تو نہیں چل گیا۔

''یہ! یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟ زبان سنبھال کر بات کرو۔'' مناہل سلگ کر بولی۔

''پھر کہاں گئی تھی؟ بول! وہاں میں نے خود تجھے اس سروش کے ساتھ دیکھا ہے۔ دونوں وہاں شہر میں بھی ساتھ ہی پڑھتے تھے پرانے عاشق ہیں دونوں.....!'' شہباز لالہ کی بات پر مناہل پوری جان سے کانپ اٹھی۔

''میں کسی غیر کے ساتھ نہیں تھی۔ شوہر ہے وہ میرا! ہمارا نکاح ہوا ہے۔ اور یہ سب بابا کی مرضی سے ہوا ہے۔'' مناہل نے خود ہی انکشاف کردیا تھا۔ جس پر ایک لمحے کو وہاں موجود سب لوگ سکتے کی کیفیت میں کھڑے ایک دوسرے کو تکنے لگے۔ ان سب کی حیرانگی دیکھ کر مناہل کو اپنی کوتاہی کا اندازہ ہوگیا تھا۔ یعنی وہ لوگ ان کے نکاح سے باخبر نہیں تھے۔ مگر اب کیا کرسکتی تھی۔ چپ چاپ کھڑی ان کے ردعمل کا انتظار کرنے لگی۔

"بے غیرت...! بے حیا...! تُو یوں ہماری عزتوں کا جنازہ نکالے گی۔ تجھے تو میں چھوڑوں گا نہیں۔" چاچا غضب ناک ہو کر اس کی طرف بڑھے تو وہ خوفزدہ ہو کر چاچی کے پیچھے چھپ گئی۔ مگر وہ بیچاری کمزور عورت کیا اس کا بچاؤ کرتیں۔ وہ تو خود شوہر اور بیٹوں سے خوفزدہ رہتی تھیں۔

"بابا سائیں! یہ میری منگ ہے۔ کل اس سے میری شادی ہونے والی ہے۔ اور یہ... یہ بد بخت نکاح کر کے بیٹھی ہے۔ میں ان دونوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" ارباز نے طیش میں آ کر مناہل کے بالوں کو جکڑ لیا اور دو تھپڑ لگائے۔

"ارباز! چھوڑ اسے! میں کہتی ہوں چھوڑ دے۔" چاچی نے مناہل کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔

"یہ سب تیرا ہی کیا دھرا ہے۔ ذلیل عورت تجھے تو میں بعد میں دیکھوں گا۔ پہلے اس معاملے کو تو نمٹاؤں۔" چاچا سائیں نے مناہل کو ان کی آغوش سے نکالا اور کھینچتے ہوئے اس کے کمرے میں لے گئے اور دروازہ باہر سے لاک کر دیا۔

"بابا سائیں میں اُس سروش کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی میری منگ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی بھی...؟" ارباز غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔

"ہاں! اب اس معاملے کو اس کی موت ہی ٹھیک کر سکتی ہے۔ ورنہ مناہل اس کے نکاح میں رہے گی تو ہم اسکی جائیداد سے ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔" شہباز لالہ نے سفاکی سے کہا تو چاچی نے اپنا کلیجہ تھام لیا۔

"سروش کو مرنا ہوگا۔ مگر بہت احتیاط سے' دیکھ کر۔ ہمیں گاؤں والوں کو اپنے ساتھ رکھنا ہوگا۔ انہیں کاروکاری کے نام سے مشہور کرنا ہوگا۔" چاچا نے اپنے بیٹوں سے کہا جبکہ چاچی آنکھیں پھاڑے ان کے یہ روپ دیکھ رہی تھیں۔ وہ اپنی سگی بھتیجی کے متعلق یہ سب کہہ رہے تھے۔

"مگر بابا سائیں! ہم مناہل کو قتل نہیں کریں گے وہ میری منگ ہے اسے تو میں حاصل کر کے رہوں گا۔" ارباز کی بات پر شہباز لالہ نے اسے گھورا اور باہر نکل گئے۔

☆.....☆.....☆

مناہل شام سے کمرے میں بند تھی۔ باہر کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ آج سروش ساتھ والے گاؤں سے نکاح نامہ لانے والا تھا اور کل.....!"

"مگر یہ آج کیا ہو گیا؟ اے میرے اللہ! میرے سروش کی حفاظت فرما۔" مناہل بیڈ پر بیٹھی اس وقت سے روئے جا رہی تھی۔

"ک...کون؟" دروازے پر آہٹ سن کر مناہل چونک اٹھی۔

"چاچی...!" کمرے میں چاچی کو دیکھ کر مناہل یکدم ان سے لپٹ گئی۔

"چاچی! آپ مجھ سے جیسی چاہیں قسم لے لیں۔ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔ جس سے اس حویلی کی عزت پر کوئی آنچ آئے۔ بابا سائیں نے مجھ سے خود کہا تھا میں نے اور سروش نے نکاح کیا ہے۔ میں.....!" مناہل انہیں صفائیاں دینے لگی۔

"میں جانتی ہوں۔ رانو مجھے سب بتا چکی ہے۔ تو جلدی کر نکل یہاں سے اور سروش کو لے کر اس گاؤں

سے چلی جا کہیں دور بہت دور۔ ان سب سے دور۔ جا میری بچی جا۔" چاچی نے اسے ان کی سازش کے بارے میں بتایا تو وہ سر تا پیر تک لرز گئی۔

"جا بیٹی! جلدی کر۔ ابھی وہ لوگ گاؤں والوں کو سب بتا کر آتے ہونگے۔" چاچی نے اسے چادر دی اور کمرے سے باہر نکالا۔

مگر! چاچی آپ! وہ چاچا.....!" مناہل جانتی تھی کہ اس اقدام کے بعد وہ لوگ چاچی کا کیا حال کریں گے۔

"مجھے چھوڑ! تُو جا! ساری زندگی سہتی آئی ہوں اب بھی سہہ لوں گی۔" مناہل ان کے گلے سے لگ کر رو پڑی۔

☆.....☆.....☆

"کون ہے؟" سروش ابھی ساتھ والے گاؤں سے آیا تھا۔ نہا کر نکلا ہی تھا کہ زور زور سے دروازہ بجنے لگا۔

"صبر بھئی! آ رہا ہوں۔" سروش تولئے سے سر رگڑتا باہر کی جانب بڑھا۔

"مناہل تم!" دروازہ کھولتے ہی اسے مناہل کی صورت دکھائی دی تو وہ چونک پڑا۔

"سروش! سروش پلیز! جلدی کرو۔ وہ لوگ ہمیں مار ڈالیں گے۔" مناہل یکدم ہی اس کے سینے سے لگ گئی۔

"منا! منا! ہوا کیا ہے آخر؟ کچھ بتاؤ تو سہی۔" سروش اس کے بال سہلانے لگا۔ خطرے کی گھنٹی تو اسے بھی سنائی دے رہی تھی۔

"سروش! وہ چاچا سائیں نے.....!" مناہل نے جلدی جلدی اسے بتایا تو سروش بھی بری طرح گھبرا گیا۔ کاروکاری کے رواج سے وہ بخوبی واقف تھا' اور پھر جبکہ گاؤں والے بھی ان کے ساتھ نہ تھے۔ ان کے نکاح سے کوئی بھی واقف نہ تھا ایسے میں وہ دونوں ہی مجرم ٹھہرائے جاتے۔ سروش نے قمیض پہنی اور اندر سے شال نکال لایا۔

"جلدی کرو! سروش! وہ لوگ آتے ہوں گے۔" مناہل خوف سے چیخ پڑی۔ سروش نے جلدی جلدی دروازہ لاک کیا' اس نے مناہل پر شال ڈال کر اس کے گرد اپنے بازو حائل کر لئے۔ وہ لوگ جلد سے جلد شہر پہنچنا چاہتے تھے۔ مگر وہ دونوں کچھ دور ہی گئے ہوں گے۔ کہ انہیں جیپ اور گاڑیوں کی مختلف آوازیں سنائی دینے لگیں۔ سروش نے مضبوطی سے مناہل کا ہاتھ پکڑ لیا اور سیدھے رستے کے بجائے کھیتوں میں گھس گیا۔ وہ لوگ ہوائی فائر بھی کر رہے تھے۔ چاروں طرف اندھیرا تھا وہ دونوں بس آگے کو بھاگے جا رہے تھے جبکہ گاڑیوں اور گولیوں کی آوازیں قریب ہوتی جا رہی تھیں۔ وہ دونوں اب جھاڑیوں میں بھاگ رہے تھے۔ اس گھنے جنگل کے اس پار شہر جانے والی سڑک تھی۔ جھاڑیوں سے وہ دونوں ہی بری طرح زخمی ہو رہے تھے مگر ایک دوسرے کو پکڑے وہ اس تکلیف کو بھلائے بھاگے جا رہے تھے۔ جب اچانک ایک گولی سروش کے بازو کو چھوتی ہوئی گزری۔

"سروش.....!" مناہل کی دلدوز چیخ پوری فضا میں گونج اٹھی۔ سروش نے اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھا اور پھر

بھاگنے لگا مگر تکلیف کی شدت بہت زیادہ تھی۔ وہ لوگ بھی منابل کی آواز سن چکے تھے۔ لہٰذا سمت کا اندازہ انہیں ہو گیا تھا شہر جانے والی سڑک اب دکھائی دے رہی تھی۔

''سروش تم.....!'' سروش منابل کو لئے درخت کے سہارے کھڑا ہوا۔ تب ہی فضا میں اک ارتعاش برپا ہوا اور اگلے ہی لمحے سروش گر چکا تھا۔ اب کے گولی اس کی کمر میں لگی تھی۔ اور آگے سینے سے پار ہوئی تھی۔

''سروش! تم ٹھیک ہو؟ سروش! تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ اٹھو سروش وہ لوگ آ رہے ہیں۔ اٹھو پلیز!'' منابل اس پر جھکی پاگلوں کی طرح اسے پکار رہی تھی۔ جبکہ بہت دور اسے وہ لوگ دکھائی دے رہے تھے۔ سروش نے گردن گھما کر انہیں دیکھا۔

''منابل! تم جاؤ۔ یہ لوگ تمہیں بھی نہیں چھوڑیں گے۔ جاؤ منا! سامنے شہر جانے والی سڑک ہے جاؤ پلیز!'' سروش نے اس کا ہاتھ تھاما۔

''میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔ میں بھی مر جاؤں گی یہیں تمہارے ساتھ۔'' منابل نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ تھاما۔

''منا! تمہیں میری قسم تم ان لوگوں سے دور چلی جاؤ۔ تم ان کی سازش پوری نہیں ہونے دو گی۔ جاؤ! تمہیں اپنے بابا کی قسم شہر چلی جاؤ۔'' سروش نے اپنا خون آلود ہاتھ اس کے چہرے پر پھیرا اور اک نظر ان لوگوں کو دیکھا جو اب بہت قریب آ چکے تھے۔

''میں اکیلی کیا کروں گی؟ سروش! تمہارے بناء میں کیسے جیوں گی؟ بابا سائیں بھی نہیں ہیں۔ میں تنہا ان سب کا مقابلہ کیسے کروں گی؟'' منابل اس پر جھکی سسکنے لگی۔

''تم! تم سلمان شاہ کے پاس چلی جانا۔ وہ تمہاری مدد.....!'' سروش کا سر منابل کے گھٹنوں پر لڑھک گیا۔

''سروش.....! آنکھیں کھولو..... پلیز سروش اٹھو!'' منابل اسے جھنجھوڑنے لگی۔ مگر وہ تو جا چکا تھا ہمیشہ کے لئے۔ منابل نے سر اٹھا کر اپنے سروش کے قاتلوں کو دیکھا اب زیادہ فاصلہ نہیں رہا تھا۔ جھاڑیوں کے درمیان وہ کافی سارے لوگ ان کی جانب بڑھ رہے تھے۔

''تم! ان سے دور چلی جاؤ۔ تم ان کی سازش پوری نہیں ہونے دو گی۔'' اس کے کانوں میں سروش کی ٹوٹتی ہوئی آواز گونجی۔ منابل ایک جھٹکے سے اٹھی اور بھاگنے لگی۔ سامنے ہی سڑک نظر آ رہی تھی۔

''منابل! رک جاؤ.....!'' ارباز کی آواز اسے سنائی دی۔ وہ مسلسل اسے ڈرانے کے لئے ہوا میں فائر کر رہا تھا۔ مگر منابل کو اب کوئی پرواہ نہیں تھی اسے تو بس ان لوگوں سے دور جانا تھا۔ چاہے وہ موت کی صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔

''رک جاؤ! میں کہتا ہوں۔'' ایک بار پھر فائر ہوا تھا۔ سڑک اب چند قدموں کے فاصلے پر تھی۔ اچانک ہی منابل کا دوپٹہ جھاڑیوں میں پھنس گیا۔ شال تو بہت پہلے ہی گر گئی تھی مگر وہ سردی سے بے نیاز دوڑے جا رہی تھی۔ اب بھی اس نے دوپٹے کی پرواہ کئے بغیر اسے گلے سے کھینچ کر وہیں پھینکا اور آگے بڑھ گئی۔ منابل نے سڑک پر قدم رکھا اسی لمحے اک بار پھر فائر کی آواز گونجی تھی منابل دو قدم آگے بڑھی۔ تب ہی ایک گاڑی سے ٹکرا گئی اور وہیں ڈھیر ہو گئی۔

☆.....☆.....☆

دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ شانزے آفس میں داخل ہوئی تو زین اور علی جو اپنی ہی لن ترانیوں میں مصروف تھے یکدم ہی خاموش ہو گئے۔

''آئی کم اِن۔'' شانزے نے لبوں پر مسکراہٹ سجا کر پوچھا۔

''یس! یس پلیز!'' زین جو ٹیبل پر چڑھا بیٹھا تھا علی کے ٹہوکا دینے پر جمپ لگا کر نیچے اترا۔ شانزے محظوظ ہوتی اندر آئی۔

''آ... آپ! مس شانزے ہیں؟'' زین نے حیرانگی سے کہا۔ جبکہ علی کی نگاہوں میں بھی شناسائی تھی۔

''ارے! آپ لوگوں نے مجھے پہچان لیا؟'' شانزے کو خوشی ہوئی۔

''آپ کو بھولے ہی کب تھے۔'' زین بڑبڑا کر رہ گیا۔

''کچھ کہا آپ نے؟'' شانزے زین سے مخاطب تھی۔

''جی! بہت خوشی ہوئی آپ کو یوں سامنے دیکھ کر۔'' زین بولا۔

''ہاں! میں نے ایڈ پڑھا تھا آپ لوگوں کے کوچنگ کا۔ میں نے بہت سے کمپیوٹر کورسز کئے ہوئے ہیں۔ آپ لوگ چاہیں تو میرا ٹیسٹ لے سکتے ہیں۔'' شانزے نے اپنے سرٹیفکیٹ اور ڈاکومنٹس ان کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیئے۔

''ارے! یہ کیا۔ آپ سے کیا انٹرویو اور ٹیسٹ۔ آپ ہمیں اپنا سمجھ کر یہاں آئی ہیں ہم نے آپ کو سلیکٹ کر لیا آپ کل سے کلاس لینا شروع کر دیں۔ سفیان سے شیڈول معلوم کر لیجئے گا۔'' زین کی بات پر علی نے بھی اکتفا کیا تو شانزے تشکر سے مسکرا دی۔

''آپ چار دوست ہوتے تھے.....!''

''ہم! اب بھی چار ہی ہیں۔ میں علی، یہ زین، سفیان نیچے کلاس لے رہا ہے۔ جبکہ سلمان اپنے گاؤں گیا ہوا ہے ماں جی سے ملنے۔'' علی نے تفصیلاً جواب دیا تو شانزے بھرپور انداز میں مسکرا دی۔

''یار! یہ سرارسلان آج بھی نہیں آئے۔'' سفیان بولتا ہوا آفس میں داخل ہوا تھا۔

''لو یہ آ گئے۔ ٹینشن سے بھرپور۔ اسے ہر وقت کوئی نہ کوئی ٹینشن رہتی ہے۔ آج فلاں ٹیچر نے کلاس نہیں لی۔ آج میں نے اُس اسٹوڈنٹ کو وہاں دیکھا تھا، فلاں کلاس کا فین خراب ہے، پانی کا کولر صحیح کولنگ نہیں کر رہا، اسی قسم کی تمام ٹینشنز ہمارے سفیان بھائی کو ہر وقت لاحق رہتی ہیں۔'' علی کی بات پر شانزے بے اختیار ہنس پڑی۔ اس پر سفیان بھی اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''مس شانزے۔ آپ!'' سفیان ایک لمحے میں اُسے پہچان گیا۔

''مجھے آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔ میں تو سمجھی تھی کہ مجھے اپنا تعارف کرانا پڑے گا۔''

''خوشی تو مجھے بھی بہت ہو رہی ہے۔'' زین کی زبان سے پھسلا۔

''زندگی میں بہت سے لمحے، بہت سے لوگ ملتے ہیں۔ جو کبھی بھولتے نہیں ہمیشہ ذہن میں یاد بن کر رہ جاتے ہیں بغیر کسی وجہ کے۔ بس یونہی ہمیشہ ان کا چہرہ نظر کے پردے پر روشن رہتا ہے۔'' سفیان نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں! جیسے آپ چاروں مجھے کبھی نہیں بھولے تھے حالانکہ آپ لوگوں سے میری کوئی خاص دوستی یا

بات چیت نہیں تھی مگر پھر بھی میں جب تک یونیورسٹی میں رہی آپ لوگوں کو یاد کیا۔ وجہ صرف اتنی تھی کہ میں نے دوبارہ کبھی آپ لوگوں جیسی فرینڈشپ نہیں دیکھی۔ مجھے آپ لوگوں کی یونٹی (unity)، آپ لوگوں کے اس فرینڈشپ بونڈ نے بہت انسپائر کیا۔'' شانزے نے مخلص ہوکر کہا جس پر وہ تینوں مسکرادیئے۔

''مس شانزے! آپ کے ساتھ آپ کی فرینڈ ہوتی تھیں مناہل۔ وہ کہاں ہیں'' سفیان کے پوچھنے پر علی اور زین بھی شانزے کو دیکھنے لگے۔

''اس کا تو مجھے خود نہیں پتہ۔'' شانزے نے افسردگی سے کہا۔

''مگر یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ آپ تو ان کی کافی اچھی فرینڈ تھیں۔'' علی نے پریشانی اور حیرانی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ شانزے سے کہا۔

''ہاں! ہم بیسٹ فرینڈز تھے اور ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ مگر مناہل فرسٹ سمسٹر کے بعد گاؤں گئی تھی اس کے بابا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اس نے تو فائنل والوں کو دی جانے والی پارٹی بھی اٹینڈ نہیں کی تھی۔ مگر نہ جانے کیا ہوا کہ وہ جو پندرہ دن بعد آنے والی تھی۔ پھر دوبارہ آئی ہی نہیں۔'' شانزے کے لہجے سے اداسی چھلک رہی تھی۔

''تو اس کا مطلب کہ مناہل نے اپنا M.Sc کمپلیٹ نہیں کیا؟'' علی نے اچنبھے سے پوچھا۔

''نہیں!'' شانزے نے مختصراً جواب دیا۔

''آپ نے ان سے کوئی کونٹیکٹ نہیں کیا؟ یہ اُن کے کیریئر کا سوال تھا۔'' سفیان نے کہا۔

''کوشش تو بہت کی۔ مگر کیا کرسکتی تھی اس کے گاؤں کا ایڈریس میرے پاس نہیں تھا۔ محض سیل نمبر کے سوا۔ مگر وہ بھی کسی کام کا نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے گاؤں میں Network Coverage نہیں ہے۔'' شانزے کی بات پر وہ تینوں ایک لمحے کو چُپ سے ہوگئے جبکہ شانزے کہہ رہی تھی۔

''نہ جانے کہاں ہوگی اور کس حال میں ہوگی؟''

''مے بی! اس کی شادی ہوگئی ہو۔ تم نے سروش سے کونٹیکٹ کیا؟ وہ تو جانتا ہوگا۔'' سفیان نے کسی خیال کے تحت کہا۔

''جس طرح آپ لوگوں نے یونیورسٹی چھوڑ کر پلٹ کے بھی نہیں دیکھا۔ اسی طرح سروش بھی دوبارہ نہیں آیا۔ میرا اس سے لنک مناہل کی ہی وجہ سے تھا اور جہاں تک بات رہی اس کی شادی کی تو گاؤں رہتے ہوئے ان لوگوں کی شادی ناممکن تھی اور اگر ایسا ہوتا بھی تو وہ شہر ضرور آتی۔ کیونکہ سروش کی جاب یہیں ہے۔'' شانزے کی بات پر سفیان محض سر ہلا کر رہ گیا۔

''اب تو بس یہی دعا ہے کہ وہ جہاں بھی ہو ٹھیک ہو، خوش ہو۔ اللہ اس کی حفاظت کرے۔'' شانزے کی بات پر تینوں نے بے ساختہ آمین کہا تھا۔

☆.....☆.....☆

رات کے تقریباً گیارہ کا وقت تھا۔ دور دور تک گہرا اندھیرا اور جامد سناٹا تھا۔ سلمان اپنی ہی دھن میں گاڑی ڈرائیو کرتا اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ جبکہ انگلیاں میوزک کے ساتھ ساتھ مسلسل حرکت

میں تھیں۔ ماں جی نے کتنا کہا تھا کہ رات رک جاؤ صبح چلے جانا۔ مگر سلمان کو شہر میں بہت سے کام نمٹانے تھے جن میں ایک ماں جی کے چیک اپ کے لئے ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لینا تھا۔ سلمان نے گاؤں کے کچے پکے راستوں سے نکل کر گاڑی شہر جانے والی پکی سڑک پر ڈالی اور اسپیڈ بڑھادی۔

''صبح چھ بجے تک شہر پہنچ جاؤں گا۔'' سلمان نے ریسٹ واچ دیکھتے ہوئے خود کلامی کی۔ ابھی وہ اپنے گاؤں کی حدود سے نکلا ہی تھا کہ اسے گولی کی آواز نے چونکا دیا۔ سلمان نے ہاتھ بڑھا کر ڈیک کا والیوم سلو کیا اور اطراف میں نظریں دوڑائیں۔ سڑک کے دونوں جانب لمبی جھاڑیاں تھیں۔

''جھاڑیوں کے اُس پار یقیناً کھیتوں کا سلسلہ ہوگا اور پھر گاؤں کی آبادی۔'' سلمان نے اندازہ لگایا۔ یہ گاؤں ان کے گاؤں کے برابر میں ہی تھا اسی لمحے ایک بار پھر گولی چلنے کی آواز آئی

''اس وقت کوئی شکار تو کر نہیں سکتا یقیناً کوئی مسئلہ ہے۔'' سلمان اپنی ہی سوچوں کے تانے بانے بُننے لگا۔ تبھی گولی کی آواز اور لڑکی کی چیخ اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''یقیناً اس وقت کوئی مشکل میں ہے۔'' سلمان اپنی فطرت سے مجبور سوچنے لگا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس نے گاڑی کی رفتار پہلے سے سلو کردی گولیوں کی آوازیں اب قریب سے قریب تر ہو رہی تھیں۔ اسی لمحے اسے جھاڑیوں میں حرکت محسوس ہوئی سلمان گاڑی روکنا ہی چاہتا تھا کہ جھاڑیوں میں سے نکلنے والا وجود اس کی گاڑی سے ٹکرا گیا۔ سلمان ایک لمحے میں گاڑی سے نکل کر اس کی طرف بڑھا وہ لڑکی اوندھے منہ اس کی گاڑی کے سامنے بے ہوش پڑی تھی سلمان کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ اسی پل اسے پیچھے جھاڑیوں میں بہت سے قدموں اور گولیوں کی آواز سنائی دی۔ وہ جو کوئی بھی تھے اس لڑکی کو مار دینا چاہتے تھے۔ سلمان نے ایک لمحے کی بھی تاخیر کئے بغیر اس زخمی وجود کو اپنی بانہوں میں بھرا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا اور اس کو گاڑی کی بیک سیٹ پر ڈال کر گاڑی ان سے آگے بڑھادی۔ جبکہ پیچھے ارباز اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہاتھ ملتا رہ گیا۔ تین گھنٹے کی مسلسل ڈرائیو کے بعد سلمان شاہ شہر کی حدود میں داخل ہو چکا تھا اس نے بے اختیار سکون کا سانس لیا۔ سلمان شاہ نے کسی انجانے خدشے کے تحت پیچھے مڑ کر اس بے ہوش وجود کو دیکھا اسی لمحے برابر سے گزرتی گاڑی کی تیز لائٹ سب کچھ روشن کرگئی۔ سلمان شاہ سکتے کی کیفیت میں بے ہوش پڑی مناہل کو تکنے لگا۔ یہ چہرہ وہ کیسے بھول سکتا تھا جسے اس نے ہر لمحہ یاد کیا تھا۔ سلمان شاہ پورا کا پورا اس پر جھک گیا۔ مناہل کے چہرے اور ہاتھوں پر جا بجا کھروچ کے نشان تھے جن سے خون رس رہا تھا۔ سلمان شاہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے پر بکھرے بالوں کو پیچھے کیا۔ اس کی گوری رنگت کالے لباس میں دمک رہی تھی دوپٹے سے بے نیاز وہ دنیا سے بے خبر پڑی تھی سلمان نے اس کی کلائی پکڑ کر نبض چیک کی اور جیسے سکون کا سانس لیا۔

تقریباً صبح پانچ بجے کا وقت تھا دور سے اذانوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ سلمان شاہ نے فوراً ہی کسی قریبی اسپتال کا رخ کیا مناہل کو اپنی بانہوں میں بھر کر اسپتال میں داخل ہوگیا۔ اتنی جلدی میں بھی وہ مناہل کے وجود کو اپنی جیکٹ سے ڈھانپنا نہیں بھولا تھا۔

☆.....☆.....☆

مناہل حیرانگی سے اپنے چاروں اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔ دماغ بالکل سُن ہو رہا تھا۔ جیسے کچھ بھی

یاد نہ آرہا ہو اُسی لمحے اس کی نظر سائیڈ ٹیبل کے پاس کھڑی نرس پر پڑی۔

''م...میں! ک...کہاں ہوں؟'' مناہل نے اپنے دل میں مچلتے سوال کو بہ مشکل زبان دی۔ نرس کے بتانے پر کہ اسے بے ہوشی کے عالم میں ایک لڑکا یہاں لایا تھا۔

''ک...کب؟ اور کہاں ہے وہ؟'' مناہل نے الجھ کر نرس کو دیکھا۔

''صبح فجر کا وقت تھا اور جو آپ کو لائے تھے وہ اس وقت ڈاکٹر سے محوِ گفتگو ہیں آپ پلیز آرام کریں'' نرس اسے کہہ کر باہر نکل گئی۔

''فجر کے وقت! بے ہوشی کے عالم میں...!'' وہ اپنے دماغ پر زور دینے لگی۔ اور پھر جیسے رات میں ہونے والا منظر سب کچھ اس کے ذہن میں کسی فلم کی طرح rewind ہوتا چلا گیا۔ خوف، ہراس، گولی کی آوازیں اور، اور سروش! مناہل کی نظروں میں اچانک سے ہی سروش کی خون میں لت پت لاش آگئی۔ اس کی تو دنیا ہی اجڑ گئی تھی۔ مناہل پوری قوت سے چیخ اٹھی۔

''نہیں! نہیں! ایسا نہیں ہوسکتا۔ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاسکتے۔'' وہ پوری قوت سے چلا رہی تھی۔ اس کی آواز پر ڈاکٹرز کے ساتھ سلمان شاہ بھی دوڑتا ہوا اس کے کمرے میں آیا۔ مناہل نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا گلاس سامنے دیوار پر دے مارا جو کہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوگیا۔ سلمان شاہ حیرت سے مناہل کا یہ نیا روپ دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ ڈاکٹرز اسے سکون کا انجیکشن دینا چاہتے تھے مگر مناہل بری طرح ہاتھ پاؤں مارتی کسی کے قابو میں نہیں آرہی تھی۔ سلمان شاہ کے لئے اس کی یہ حالت ناقابل برداشت تھی۔ سلمان شاہ بے اختیار آگے بڑھا اور مناہل کے دونوں ہاتھوں کو اپنے بازوؤں میں جکڑ کر اسے قابو کرلیا۔ مناہل نے بے بس ہوکر سلمان شاہ کو دیکھا ایک لمحے کو اس کی آنکھوں میں شناسائی ابھری مگر دوسرے ہی لمحے وہ انجیکشن کے زیر اثر پھر سے بے خبر ہوگئی۔ سلمان شاہ نے احتیاط سے اسے لٹایا اور اس پر بلینکٹ ڈالتا پیچھے ہٹ گیا۔

''ان کی حالت بتا رہی ہے۔ کہ یہ بہت بڑے کرائسز سے گزری ہیں۔ انہیں بہت زیادہ سکون کی ضرورت ہے۔ ورنہ ان کا یہ ڈپریشن ان کی دماغی حالت پر اثر انداز ہوسکتا ہے۔ ان کا خاص خیال رکھنا ہوگا۔'' ڈاکٹر کہہ کر جاچکا تھا۔ جبکہ سلمان شاہ مناہل کے چہرے کو تکتے ہوئے کسی گہری سوچ میں محو تھا۔

☆.....☆.....☆

سلمان نے سفیان کو فون کرکے ساری تفصیل سے آگاہ کردیا۔ سفیان نے کہا بھی تھا کہ ان تینوں میں سے کوئی ایک یہاں آجاتا ہے اور وہ گھر آکر آرام کرلے۔ کیونکہ وہ پوری رات کا جاگا ہوا ہے۔ مگر سلمان شاہ نے اسے منع کردیا۔ مناہل کو سوئے ہوئے تقریباً پانچ گھنٹے ہوچکے تھے۔ ڈاکٹرز کے مطابق اسے آدھے ایک گھنٹے میں ہوش آنے والا تھا۔ سلمان شاہ تمام وقت اس کے سامنے بیٹھا رہا ایک لمحے کو بھی اس کو اپنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ سلمان شاہ نے یونیورسٹی میں مناہل کو اس لئے مخاطب نہیں کیا تھا۔ کہ کہیں وہ پریشان نہ ہوجائے کہیں سلمان شاہ کی ذات اس کے لئے پریشانی کا سبب نہ بن جائے۔ وہ جو اسے ذرا سی بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اسے اب اس حال میں دیکھ کر تڑپ ہی تو گیا تھا۔ سلمان نہ جانے کتنی بار اپنے رب کا شکر ادا کرچکا تھا۔ کہ اس نے مناہل کو اس سے ملوا دیا تھا۔ اور اپنے

دل میں یہ عہد بھی کرلیا تھا کہ وہ اب ان ظالموں سے ضرور بدلہ لے گا اور انہیں سزا دلوائے گا جنہوں نے اس کی مناہل کا یہ حال کیا۔ اس معصوم پر اس قدر تشدد کیا۔ اگر وہ ماں جی کے کہنے پر رک جاتا تو اسے رستے میں یوں مناہل نہ ٹکراتی۔ اگر وہ اس وقت وہاں سے نہ گزر رہا ہوتا۔ تو وہ لوگ نہ جانے اس کا کیا حال کرتے۔ گولیوں کی تیز آوازیں اور مناہل کی دلدوز چیخ سلمان کی سماعتوں میں ابھری۔ تو سلمان نے فوراً تڑپ کر آنکھیں کھول دیں اور اٹھ کر مناہل کے قریب آیا اور اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھنا چاہا۔ مگر پھر ایک دم ہی پیچھے کرلیا۔ مناہل کے پپوٹوں پر جنبش ہونے لگی شاید وہ ہوش میں آرہی تھی۔ سلمان شاہ اس پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔ کچھ ہی لمحے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں اور اسے یوں اپنے قریب دیکھ کر تکنے لگی حیرت سے۔

''آپ! یہاں کیسے؟'' مناہل کے لبوں پر جنبش ہوئی۔

''ہاں میں! آپ کل میری ہی گاڑی سے ٹکرا کر بے ہوش ہوئی تھیں۔'' سلمان کہتا ہوا سامنے رکھی چیئر پر بیٹھ گیا۔ مناہل کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو رواں ہوگئے۔ سلمان چپ چاپ اسے روتا ہوا دیکھنے لگا۔ مناہل اب پہلے کے مقابلے میں کافی حد تک نارمل تھی۔ شاید اس نے حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرلیا تھا۔ کافی دیر رونے کے بعد مناہل نے اپنے آنسو خود ہی پونچھ لئے۔ تب سلمان نے اسے مخاطب کیا۔

''اگر! آپ مائنڈ نہ کریں تو آپ مجھے بتانا پسند کریں گی کہ وہ لوگ کون تھے؟ اور آپ کو کیوں مارنا چاہتے تھے؟'' سلمان کے سوال پر مناہل خاموش بیٹھی رہی۔

''پلیز! ٹیل می! شاید میں آپ کی کچھ مدد کرسکوں۔'' سلمان اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کی طرف چلا آیا۔ مناہل اب بھی سر جھکائے خاموش بیٹھی تھی۔

''پلیز! مناہل! ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ میرے ہوتے ہوئے خود کو محفوظ سمجھ سکتی ہیں۔ پلیز بتائیں وہ لوگ آپ کو کیوں مارنا چاہتے تھے؟'' سلمان سائیڈ ٹیبل کے سہارے کھڑا تھا۔

''نہیں! وہ مجھے مارنا نہیں بلکہ مجھے حاصل کرنا چاہتے تھے۔'' مناہل ایک بار پھر سسک پڑی۔

''حاصل کرنا...؟ پلیز! کھل کے بتاؤ آخر مسئلہ کیا تھا؟'' سلمان شاہ نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''دراصل! وہ لوگ.....!'' مناہل اسے سب کچھ بتاتی چلی گئی۔ مناہل اور ارباز کی بچپن کی منگنی، اس کی چھچھوری حرکتیں، بابا کا اسے اکیلے چھوڑ جانا، چاچا اور انکے بیٹوں کی اس کی دولت پر نظر، اور ارباز سے زبردستی نکاح اور پھر اس کا وہاں سے بھاگ جانا۔

''وہ! لوگ جو میرے پیچھے آرہے تھے وہ لوگ کوئی غیر نہیں۔ بلکہ میرے اپنے تھے۔'' مناہل کا چہرہ پورا آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔ مناہل چاہ کر بھی نجانے کیوں اسے اپنے اور سروش کے متعلق نہ بتا سکی اور سلمان شاہ چاہ کر بھی اس سے سروش کے متعلق کچھ بھی پوچھ نہ سکا۔

''اب تم کیا چاہتی ہو؟'' سلمان شاہ کے پوچھنے پر وہ بنا کچھ کہے اسے دیکھنے لگی۔

''میرا مطلب ہے کہاں جاؤ گی؟'' سلمان نے اپنے جملے کی وضاحت دی۔ مناہل کی آنکھوں میں ایک بار پھر نمی تیرنے لگی۔

''کہیں بھی...!'' مناہل کے لہجے سے بے بسی صاف ظاہر تھی جس پر سلمان شاہ تڑپ کر رہ گیا۔

"کیا مطلب کہیں بھی؟ وہ لوگ تمہیں ڈھونڈتے ہوئے شہر ضرور آئیں گے۔ تمہارا یوں اکیلے رہنا خطرے سے خالی نہیں" سلمان نے اسے قائل کرنا چاہا

"میں جانتی ہوں مگر میں مرجاؤں گی۔ مگر ان کی سازش کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔"

"کیا ہر مسئلے کا حل مرجانا ہے؟ تمہیں ان کا مقابلہ کرنا ہوگا۔" سلمان نے اسے ہمت دلانا چاہی۔

"تو میں اور کر بھی کیا سکتی ہوں! میں تنہا ان کے آگے کچھ بھی نہیں کرسکتی۔" نتاہل نے بھیگے لہجے میں کہا۔

"اب تم تنہا نہیں ہو! میں تمہارے ساتھ ہوں۔" مناہل نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اور تم کہیں اور نہیں بلکہ میرے ساتھ چل رہی ہو۔" سلمان نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر مضبوط لہجے سے کہا۔

"نہ! نہ... نہیں! میں ایسے کیسے آپ کے ساتھ جاسکتی ہوں۔" مناہل نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"دیکھو میں بھی ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں اور مجھے اندازہ ہے کہ وہ لوگ دولت کی خاطر کچھ بھی کرسکتے ہیں۔ میں تمہیں اپنے گاؤں جہاں میری ماں اور بہن رہتی ہیں بھجوا دیتا۔ لیکن وہ لوگ تمہیں وہاں سے باآسانی ڈھونڈ نکالیں گے۔ ان حالات میں تمہارا گاؤں کیا بلکہ شہر کے کسی ہوسٹل میں رہنا بھی خطرے سے خالی نہیں تم مجھ پر بھروسہ کرسکتی ہو۔" سلمان شاہ نے بات ختم کرکے مناہل کی طرف دیکھا۔

"بے فکر رہو ہم چاروں دوست ایک ساتھ ہی رہتے ہیں۔ میں گھر پر اکیلا نہیں ہوں۔" سلمان شاہ نے شاید اس کی آنکھوں میں چھپے ہوئے سوال کو پڑھ لیا تھا۔ سلمان شاہ کی بات پر مناہل ایک لمحے کو شرمندہ ہوگئی۔

"مگر.....!"

"اگر مگر کچھ نہیں تم میرے ساتھ چل رہی ہو۔ اور بس..... میں اب کسی قسم کا کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔" اب کے سلمان نے اسے بیچ میں ہی ٹوک کر رعب سے کہا اور باہر نکل گیا۔ جبکہ مناہل ایک بار پھر اپنی بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر رودی۔

☆.....☆.....☆

مناہل کچن میں کھڑی باہر بیٹھے ان سب کی خوش گپیوں سے محظوظ ہورہی تھی۔ مناہل کو یہاں آئے پندرہ دن سے زیادہ ہوچکے تھے ان تینوں نے ہی اسے خوش دلی سے ویلکم کہا تھا اور اسے اپنی بہن فوراً ہی بنالیا تھا۔ وہ بھی یہاں آکر اپنا دکھ جیسے بھول چکی تھی۔ مناہل نے جلدی سے کپوں میں چائے انڈیلی اور کپوں کو ٹرے میں سجاتی کچن سے باہر آگئی جہاں ان چاروں کے ساتھ شانزے بھی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔

"جیو مناہل! جیو! بہن ہو تو ایسی۔" زین نے مناہل کو دیکھتے ہی ہانک لگائی اور آگے بڑھ کر فوراً ہی اپنا کپ اٹھالیا۔

"سیکھ لو! تم بھی کچھ ذرا۔" زین نے کاؤچ پر بیٹھی شانزے کو شرمندہ کرنا چاہا۔

"کیوں؟ میں کیوں سیکھوں! وہ تمہاری بہن ہے اور بہنیں اپنے بھائیوں کا کام کرتی ہی ہیں۔ جبکہ میرے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ نہیں۔" شانزے نے ڈھٹائی کے ساتھ کہہ کر اپنا کپ اٹھالیا۔

"کیوں؟ جب مناہل ہماری بہن ہیں تو آپ بھی ہماری بہن ہی ہوئیں۔" علی کی بات پر زین کپ رکھ کر اسے گھورنے لگا۔ جبکہ سلمان اور سفیان اس کی اس بات سے خاصے محظوظ ہوئے تھے۔

"کیا ہوا! بھائی تسلی رکھو۔ جس طرح مناہل سلمان کو چھوڑ کر ہم تینوں کی بہن ہے اسی طرح شانزے بھی آپ کو چھوڑ کر ہم تینوں کی ہی بہن ہوئی۔" علی نے شرارت سے کہا جس پر شانزے نے ساتھ پڑا کشن علی کو دے مارا جبکہ مناہل نے بے اختیار نظر اٹھا کر سلمان شاہ کو دیکھا تھا سب کے برخلاف سلمان شاہ کپ لبوں سے لگائے ٹی وی کی جانب متوجہ تھا۔ مناہل کے یوں تکنے پر سلمان شاہ نے رخ موڑ کر اس کی جانب دیکھا اور پھر ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگیا جیسے اس نے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ جس پر مناہل ایک دم ہی اپ سیٹ ہوگئی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ زیادہ دیر ان کے درمیان نہ بیٹھ سکی اور کام کے بہانے اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☆.....☆.....☆

"یار مناہل! قسم سے جب سے تم آئی ہو نا میری بھوک بڑھ گئی ہے۔ ورنہ اس سے پہلے تو ہوٹلوں اور علی کے ہاتھوں کا بدذائقہ کھانا کھا کر ہم سب کے ہی پیٹ خراب ہوچکے تھے۔" زین نے اپنی پلیٹ میں مزید بریانی ڈالتے ہوئے کہا۔ اس وقت وہ پانچوں ہی ڈائننگ ٹیبل پر موجود رات کے کھانے میں مصروف تھے۔ مناہل زین کی بات پر مسکرا دی جبکہ علی نے اس کی بات پر تپ کر رائتے میں چمچ اتنی زور سے پھینکا کہ دہی کی چھینٹیں زین کے ساتھ ساتھ سلمان شاہ اور سفیان کو بھی رائتہ آلود کرگئیں۔ ان تینوں کا یہ حال دیکھ کر مناہل قہقہہ لگا کر ہنس دی۔ جبکہ سلمان شاہ جو علی کو بری طرح سے گھورنے میں مصروف تھا اس کی اتنی سریلی ہنسی پر متوجہ ہوکر بے اختیار اسے تکے گیا۔ جبکہ سفیان اور زین نے اپنے اپنے چمچوں سے علی کا سر بجا ڈالا۔ مناہل جوان تینوں کی دنگا مشتی پر ہنسے جارہی تھی خود پر کسی کی نظروں کی تپش محسوس کرکے ایک دم سے ہی سلمان شاہ کی طرف دیکھا اور اسے اپنی طرف متوجہ پاکر جھینپ کر اپنی پلیٹ پر جھک گئی۔ جبکہ سلمان شاہ بھی خود کو لعنت ملامت کرتا چینج کرنے کی غرض سے اٹھ گیا اور اندر بڑھ گیا۔

مناہل نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا تھا اسے یہاں آئے ایک ماہ سے زیادہ ہوچکا تھا۔ ان لوگوں کی باتوں اور موج مستیوں میں وہ اس حد تک محو ہوچکی تھی کہ خود پر بیتے وہ کڑے دن جیسے ماضی کا حصہ معلوم ہونے لگے تھے۔ ہاں رات میں وہ سروش کو یاد کرکے آنسو ضرور بہاتی اور بے اختیار سوچتی۔ کہ شاید سروش نے اس کو سلمان شاہ کے پاس آنے کو ٹھیک ہی کہا تھا۔ مناہل جہاں اس قدر مطمئن تھی وہاں اسے یہ الجھن بھی گھیرے رہتی۔ کہ وہ تینوں تو اس سے خوب اچھی طرح ہنستے بولتے تھے۔ مگر سلمان شاہ کا رویہ اسے الجھائے رکھتا وہ بہت کم اس سے مخاطب ہوتا۔ بلکہ اس کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ اس کا سامنا بھی مناہل سے کم سے کم ہو۔ یونیورسٹی کے زمانے میں ان لوگوں کے متعلق خود کی سوچ یاد کرکے مناہل بہت شرمندہ ہوتی۔

☆.....☆.....☆

"ہاں یار! وہ کیمسٹری کے ٹیچر کا کیا ہوا؟" سفیان نے حسب عادت فکرمندی کے ساتھ کہا۔ جس پر علی اور زین بے اختیار ہنس دیئے۔

"ہاں! میں نے ایڈ دے دیا تھا۔ مگر ابھی تک کوئی ٹیچر آیا نہیں۔" سلمان نے خالی کپ رکھتے ہوئے کہا۔

"کلاسز اسٹارٹ ہوئے کافی دن ہو گئے ہیں۔ اسٹوڈنٹس کا کافی لوس (loss) ہو رہا ہے سمجھ میں نہیں آرہا کہاں سے کوئی ٹیچر ہائر کی جائے؟" سفیان کی بات پر سلمان نے بھی فکرمندی سے سر ہلا دیا۔

"کون سی کلاس کے اسٹوڈنٹس کو پڑھانا ہے؟" مناہل کے پوچھنے پر سلمان اور سفیان دونوں نے ہی اسے دیکھا۔ مناہل کبھی خود سے ان لوگوں کے معاملات میں نہیں بولی تھی۔

"فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ایئر کے لئے۔" سفیان نے مختصراً جواب دیا۔

"اگر آپ لوگ کہیں تو میں انہیں پڑھا سکتی ہوں۔" مناہل نے دھیرے سے کہا اور بے اختیار سلمان شاہ کو دیکھنے لگی۔

"نہیں! اس کی کوئی ضرورت نہیں میں نے ایڈ دے دیا ہے ایک دو دن میں کوئی آجائے گا۔ تم رہنے دو" سلمان شاہ نے اسے فوراً ہی منع کر دیا۔

"کیوں؟ آخر میرے پڑھانے میں کیا اعتراض ہے؟ میں سارا دن گھر میں بور ہی تو ہوتی ہوں۔" مناہل معصومیت سے بولی۔

"اعتراض کیا ہونا ہے؟ تم پڑھا سکتی ہو تو اچھا ہے۔ اس طرح تمہاری بوریت بھی دور ہو جائے گی اور دل بھی بہل جائے گا۔" سفیان کی بات پر مناہل سلمان شاہ کو دیکھنے لگی۔ جیسے اس کی اجازت چاہ رہی ہو۔

"او کے فائن! جیسے تمہاری مرضی میں تو تمہاری تکلیف کی وجہ سے کہہ رہا تھا۔" سلمان شاہ نے شانے اچکا کر رضامندی دے دی۔ جبکہ علی اور زین تکلیف والی بات پر کھانسنے لگے۔

☆.....☆.....☆

"یار! سلمان ایسا کب تک چلے گا؟" آج سنڈے تھا اور مناہل ہمیشہ کی طرح کچن میں مصروف تھی۔ جبکہ وہ چاروں باہر لاؤنج میں براجمان تھے علی اور زین حسب عادت ٹی وی دیکھ رہے تھے اور ساتھ ساتھ تبصروں کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

"میں! تم سے بات کر رہا ہوں۔" سفیان نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے غصے سے کہا اور ساتھ ہی سلمان شاہ کے ہاتھ سے میگزین لے کر سائیڈ میں پٹخ دیا۔ جس پر علی اور زین بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"کیا مطلب؟ کیا کیسا چلتا رہے گا! آخر کہنا کیا چاہ رہے ہو کھل کر کہو؟" سلمان شاہ نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا۔

"زیادہ بنو مت تم اچھی طرح سے جانتے ہو کہ میں تمہاری اور مناہل کی بات کر رہا ہوں۔" سفیان بھنا کر بولا۔

"کیوں کیا ہوا مجھے اور مناہل کو؟" سلمان نے معصومیت سے کہا جس پر سفیان کلس کر رہ گیا۔

"سلمان شاہ! زیادہ معصومیت دکھانے کی ضرورت نہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ آج تو میرے ہاتھوں سے ضائع ہو جائے۔" سلمان شاہ سفیان کے اس تپے ہوئے انداز پر قہقہہ لگا اٹھا۔ سلمان جان بوجھ کر اس کی

بات کو ہنسی میں اڑا رہا تھا۔

"سلمان! سفیان صحیح کہہ رہا ہے آخر مناہل اس طرح کب تک ہمارے ساتھ رہ سکتی ہے؟" زین نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"آخر تم لوگ کہنا کیا چاہتے ہو؟ کیا تم لوگوں کو اس کا یہاں رہنا اب برا لگنے لگا ہے؟" اب کے سلمان بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"نہیں! ہمیں اس کا یہاں رہنا نہیں بلکہ "اس طرح" سے رہنا برا لگ رہا ہے۔" علی "اس طرح" پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب؟" سلمان صاف دامن بچا گیا۔

"میری ایک بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ جب وہ تجھ سے دور تھی تو تُو اسے پانے کے لئے پاگل ہوا جا رہا تھا اور اب جبکہ وہ تیری دسترس میں ہے اس قدر گریز اور بے اعتنائی کا کیا مطلب ہے۔"

"تو اُسے پرپوز کیوں نہیں کر دیتا؟" سفیان نے اس بار اسے دوٹوک بات کہہ کر تفصیل سے بھی آگاہ کر دیا۔

"نہیں...! میں اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھانا نہیں چاہتا۔ میں اس کی نظر میں کبھی بھی ایک اچھا انسان نہیں تھا۔" سلمان کو آج تک اپنی اور مناہل کی آخری ملاقات اور اس میں کہا گیا ہر ایک جملہ اچھی طرح سے یاد تھا۔ یہی وجہ تھی جو وہ مناہل کے سامنے جانے سے کتراتا تھا۔ کہیں وہ اس کی وجہ سے یہاں رہنے سے انکار نہ کر دے۔

"جب کی بات اور تھی اور اب کی بات اور ہے۔"

"کیوں؟ اب وہ گھر سے بے گھر ایک بے بس لڑکی ہے اس لئے؟" سلمان نے طنزیہ انداز میں علی کی بات کا جواب دیا۔

"پاگل ہے تُو! حالات ہمیشہ ایک سے نہیں رہتے۔ ہو سکتا ہے اس وقت اسے کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو مگر اب...! کیا تُو نے محسوس نہیں کیا تجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر کیسے رنگ آجاتے ہیں؟ اور جب تُو اسے کسی بات پر اگنور کرتا ہے تو اس کے چہرے پر کیسا دکھ کا سایہ سا لہرا جاتا ہے۔ اور اور....! میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تجھے یہ سب کچھ کیوں نہیں دکھتا۔" سفیان کی بات پر علی اور زین نے بھی اس سے اکتفا کیا۔

"نہیں! مجھے کچھ نہیں دکھتا۔ میں اب بھی وہی یونیورسٹی والا سلمان شاہ ہوں۔ جس سے مناہل کو نفرت تھی۔ میں کسی قسم کی بھی خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہتا۔ اس لئے نہ ہی مجھے کچھ دکھتا ہے اور نہ ہی میں کچھ محسوس کرنا چاہتا ہوں۔" سلمان یہ کہنے کے ساتھ ہی لمبے لمبے ڈگ بھرتا لاؤنج سے ہی نہیں بلکہ گھر سے ہی باہر نکل گیا۔ جبکہ وہ تینوں سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"لگتا ہے ان دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے لئے ہمیں ہی کچھ کرنا پڑے گا۔" علی کے شیطانی دماغ نے فوراً ہی پلان ترتیب دے دیا اور وہ تینوں سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ جبکہ مناہل سلمان کے یوں غصے سے باہر چلے جانے پر اب تک حیران و پریشان کھڑی تھی۔ سلمان شاہ نے اب تک اس کی نفرت کو سینے سے لگا رکھا تھا۔

☆.....☆.....☆

''علی! سلمان شاہ کہاں ہیں؟'' مناہل نے علی سے پوچھا۔ جو ابھی ابھی میٹرک کی فزکس کی کلاس لے کر باہر آیا تھا۔

''وہ! سیکنڈ ایئر کی میتھ کی کلاس لے رہا ہے۔''

''وہ آفس میں ان سے کچھ لوگ ملنے آئے ہیں۔'' مناہل نے بتایا۔

''تو جا کر اسے بتا دو۔'' علی کہتا ہوا کوریڈور میں مڑ گیا۔

''ایکسکیوزمی سر...!'' مناہل نے دھیرے سے سلمان کو پکارا! جبکہ اسٹوڈنٹس کو تھیوری سمجھاتا سلمان اس قدر محو تھا۔ کہ اس کی پکار سن ہی نہ پایا۔ مناہل نے ایک بار پھر اسے پکارا جس پر کلاس میں موجود تمام اسٹوڈنٹس اس کی جانب متوجہ ہو چکے تھے۔

''سر! آپ کی وائف آپ کو بلا رہی ہیں۔'' ایک اسٹوڈنٹ کی پکار پر سلمان شاہ مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

''وائف...؟ مگر میری شادی کب ہوئی؟'' سلمان دل ہی دل میں بڑبڑایا۔ جبکہ مناہل نے بھی بلا ارادہ پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ کہیں اس کے پیچھے تو کوئی نہیں کھڑا۔ تمام اسٹوڈنٹس کو دروازے کی طرف متوجہ پا کر سلمان شاہ نے بھی اس طرف دیکھا اور سر جھٹک کر اس کی جانب بڑھ گیا۔ مناہل اسے مہمانوں کا بتا کر جانے ہی والی تھی کہ اسٹوڈنٹس کی آواز نے اس کے قدم روک لیئے۔

''سر! یور وائف از لوکنگ سو پریٹی۔'' ابھی سلمان اس اسٹوڈنٹ کے ریمارکس پر کچھ بول ہی نہیں پایا تھا۔ کہ دوسرا اسٹوڈنٹ بھی بول پڑا۔

''ویسے سر! دس از ناٹ فیئر! آپ نے ہمیں اپنی شادی میں بلایا نہیں تو بتا ہی دیتے۔ تاکہ ہم آپ کو وش ہی کر دیتے۔ ویسے نائس کپل۔'' سلمان حیرت سے ان اسٹوڈنٹس کو دیکھ رہا تھا جو کہ اب باری باری اسے اپنے اپنے اسٹائل میں وش کر رہے تھے جبکہ مناہل جھینپتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

''ویسے! آپ لوگوں کو میری شادی کا بتایا کس نے؟'' سلمان نے بظاہر سرسری انداز میں پوچھا۔

''سر زین نے...!'' جواب سلمان شاہ کے حسب توقع تھا۔

''او کے فائن! اینڈ تھینکس۔'' سلمان شاہ نے مختصراً کہا اور زین سے بعد میں نمٹنے کا سوچتے ہوئے مہمانوں سے ملنے چل دیا۔

''ہیلو! گرلز کیا ہو رہا ہے؟'' زین چہکتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا جہاں مناہل اور شانزے بیٹھی تھیں۔

''ارے! مناہل تم رو رہی تھیں!'' زین نے اس کی سوجی ہوئی آنکھیں اور سرخ ہوئی ناک کو دیکھ کر کہا۔

''نہیں تو....!'' مناہل نے اپنے ہاتھ کی پشت سے آنسو پونچھے۔

''کیا نہیں تو! اور شانزے تم کیسی دوست ہو بجائے ہنسانے اور خوش کرنے کے اسے رلا دیا؟'' زین نے شانزے کو گھورا۔ آج شانزے کے بے حد اصرار پر اور بار بار پوچھنے پر مناہل نے اسے خود پر گزری ہر بات بتا دی تھی۔ مگر سروش کے ذکر پر مناہل خود پر قابو نہ پا سکی اور ایک بار پھر سروش کی یاد پر اس کے آنسو بہتے چلے گئے۔ نم آنکھیں تو شانزے کی بھی ہو گئی تھیں۔ اتنی سی عمر میں اس پر کیا کچھ بیت چکا تھا۔ کبھی کبھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کتنی کڑی آزمائش میں ڈال دیتا ہے۔ شانزے نے بے اختیار اپنے پروردگار سے

شکوہ کیا مگر اسے اس بات پر کامل یقین تھا کہ وہ سخت آزمائش کے بعد اپنے بندوں کو اپنے انعام سے بھی ضرور نوازتا ہے۔ مناہل کے لئے بھی یقیناً اس کے صبر کا بہت بڑا انعام تھا اور وہ انعام سلمان شاہ کی صورت میں ہی ہو سکتا تھا۔ شانزے زین کے ذریعے سلمان شاہ کی خاموش محبت سے واقف تھی۔ اور ان تینوں کی طرح اچھے دن کے انتظار میں تھی۔

''یار مناہل! بہت زوروں کی بھوک لگی ہے۔ کھانے میں کتنا ٹائم ہے؟'' زین نے بے صبری کا مظاہرہ کیا۔

''سالن بن رہا ہے ابھی۔'' مناہل نے نارمل انداز میں جواب دیا۔

''ذرا دیکھ کر آؤ کہیں جل نہ جائے مجھے ابھی خوشبو آ رہی تھی۔

''نہیں میں ابھی پانی ڈال کر آئی ہوں۔'' مناہل نے مختصراً کہا۔

''اوف ہو... یار! انسان کو خود سے سوچنا چاہئے کیسی بہن ہو۔ پرائیویسی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔'' اب کے زین نے جھنجھلا کر کہا تو مناہل بے اختیار ہنسی۔

''اب بھی تو شرافت سے کہا ہے ناں'' مناہل مسکراتی ہوئی ان دونوں کے درمیان سے اٹھتی کچن کی جانب بڑھ گئی۔ شام میں کلاس لینے کے بعد شانزے اور مناہل کے پاس آ جاتی تھی پھر وہ دونوں ہوتیں اور ان کی کبھی نہ ختم ہونے والی باتیں ہوتی تھیں۔ کبھی کبھار زین بھی موقع سے فائدہ اٹھا کر ان کے درمیان بیٹھ جاتا اور مناہل کو کسی بہانے سے ادھر اُدھر کر دیتا۔ یہ موقع اسے علی کی غیر موجودگی میں ہی مل سکتا تھا ورنہ اس کے ہوتے زین کا شانزے کو نظر اٹھا کر دیکھنا بھی اس کی شامت لے آتا تھا۔

☆.....☆.....☆

''علی پلیز! مجھے یہ سودا لادو لسٹ لکھ کر رکھی ہوئی ہے۔'' مناہل نے علی کو باہر نکلتے دیکھا تو کچن سے جھانک کر اسے آواز دے ڈالی۔

''فار گاڈ سیک یار! اب میں اتنی اچھی کٹنگ کر کے سودا اٹھا کر لاتا ہوا اچھا لگوں گا۔'' علی نے ایک بار پھر دیوار پر لگے آئینے میں اپنا سراپا دیکھا اور مطمئن ہوتا مڑا تو نظر گھورتی ہوئی مناہل پر پڑی۔

''پلیز! مناہل ڈیئر! زین سے کہو ناں وہ لا دے گا۔'' علی نے خوشامدی لہجے میں کہا۔

''اس نے بھی یہی کہا تھا کہ تم سے کہوں تم لا دو گے۔'' مناہل کی بات پر علی شرمندہ ہو گیا۔

''تو پھر سفیان ہے ناں! اس سے کہو۔'' علی نے یوں چھک کر کہا جیسے وہ تو منع کر ہی نہیں سکتا۔

''سفیان کے کہنے پر ہی زین کو لسٹ دی تھی۔'' مناہل نے کلس کر کہا تھا علی سر کھجا کر رہ گیا۔

''تو کیا ہے یار! تم ہم تینوں کو کیوں کہتی ہو وہ ہیں ناں تمہارے سلمان شاہ ان سے بھی کوئی کام کہہ دیا کرو۔'' علی کی بات پر مناہل شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''اچھا بابا! اچھا! شام میں لا دوں گا۔'' علی نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے۔

''ہیں تو ابھی کیا ہو رہا ہے میں شام کے لئے ہی کھانا بنا رہی ہوں اور لال مرچیں سالن کے لئے کم ہیں۔'' مناہل پھر سے گھورنے لگی۔

''اوف ہو! بہنا تو ہری مرچیں ڈال دو نا۔ میں جب کھانا بناتا تھا تو اکثر اسی طرح کچھ ہوتا تھا۔ میں بھی

ہری مرچیں سالن میں چھوڑ دیتا تھا۔'' علی نے سگھڑ عورت کی طرح اسے اپنی کارکردگی بتاتے ہوئے مشورہ دیا۔

''وہ بھی نہیں ہیں۔'' مناہل غصے سے چیخ پڑی۔

''سبزی والا آتا ہوگا اس سے لے لینا مجھے دیر ہورہی ہے۔ آکر سودا لادوں گا۔'' علی رسٹ واچ دیکھتا سیڑھیاں اتر گیا تو مناہل پیر پٹختی کچن میں گھس گئی۔

''مجال ہے جو ایک دفعہ میں کوئی کام کردیں۔'' مناہل نے جلدی جلدی کام نمٹایا اور کپڑے لیکر نہانے گھس گئی۔ مناہل نہا کر نکلی تو شام کے چھ بج رہے تھے۔ موسم بھی خوشگوار ہورہا تھا۔ مارکیٹ گھر سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ مناہل ہمت کرتی خود ہی سودا لینے نکل پڑی۔

چند سیکنڈ کی واک پر مارکیٹ تھی۔ مناہل نے ابھی آدھی چیزیں ہی خریدی ہونگی کہ ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہوگئی۔ مناہل نے لسٹ میں رہ جانے والی چیزوں پر مارک لگایا اور واپسی کی راہ لی۔ تب ہی مناہل کی نظر سامنے پیچارو سے نکلتے شہباز لالہ پر پڑی۔ مناہل ایک پل کو خوف سے لرز کر رہ گئی اسی لمحے شہباز لالہ بھی اسے دیکھ چکے تھے۔ شہباز لالہ گاڑی کا دروازہ بند کرتے تیز تیز قدم اٹھاتے اس کی جانب بڑھے تو مناہل ہاتھوں میں تھامے شاپر وہیں پھینک کر الٹے قدموں پلٹی اور پوری رفتار سے بھاگنے لگی۔ مناہل اپنی پوری قوت سے بھاگ رہی تھی وہ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی سلمان اور زین اس وقت کو چنگ میں موجود تھے۔

''مناہل! رُک جاؤ! ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔'' شہباز لالہ کاندھے پر رپیٹر لٹکائے اس کے پیچھے تھے۔ مناہل اندھا دھند بھاگ رہی تھی سامنے اپنے گھر کی گلی دیکھ کر اس کی رفتار میں مزید تیزی آگئی۔ مناہل بھاگتی ہوئی اپنی گلی میں مڑ گئی تب ہی اسے دروازے سے سلمان شاہ نکلتا دکھائی دیا۔

''سلمان.....!'' مناہل بھاگتی ہوئی پوری قوت سے چلائی تھی۔ سلمان نے سامنے سے آتی مناہل اور اس کے پیچھے آتے شخص کو دیکھا تو بے اختیار ہوکر مناہل کی جانب لپکا اسی اثناء میں مناہل اس کے قریب آچکی تھی۔

''سہ... سلمان! شہباز لالہ!'' مناہل اس کے سینے سے لگ کر سسک پڑی۔ اسے یوں کسی انجان کے گلے لگا دیکھ کر شہباز لالہ وہیں رک گئے اور رپیٹر سے اس کا نشانہ باندھا۔ سلمان شاہ مناہل کو سینے سے لگائے پورے کا پورا گھوم گیا۔ نتیجتاً شہباز لالہ کی گن سے نکلنے والی گولی سلمان شاہ کے بازو میں لگ گئی۔ مغرب کا وقت تھا پوری فضا میں گولی کی گونج نے ارتعاش برپا کردیا۔ بے ہوش ہوتے گرتے، سلمان شاہ کو دیکھ کر مناہل کرب سے چیخ پڑی۔ اس کی نگاہوں میں سرخوش کی خون سے لت پت لاش گھوم گئی۔ گولی کی آواز اور مناہل کی چیخ پر کوچنگ میں موجود اسٹوڈنٹس کے ساتھ زین بھی نکل آیا اور سلمان شاہ کو زخمی پڑا دیکھ کر بھاگتا ہوا اس تک آیا تھا۔ شہباز لالہ کا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔ وہ تو خود حیران تھے کہ کس طرح ٹریگر ان سے دب گیا تھا۔ وہ تو صرف اسے دھمکانا چاہتے تھے۔ ان کے لئے یہ ساری سچویشن غیر متوقع تھی وہ فوراً ہی مڑے اور منظر سے غائب ہوگئے کہ گھر تو وہ دیکھ چکے تھے۔ زین نے بے قابو ہوتی مناہل کو اندر موجود شانزے اور دوسری ٹیچرز کے حوالے کیا اور خود اسٹوڈنٹس کی مدد سے سلمان شاہ کو گاڑی

میں ڈال کر اسپتال روانہ ہوگیا۔

گولی سلمان شاہ کے دائیں بازو میں لگی تھی۔ جس سے کافی بچت ہوگئی تھی۔ رات اسپتال میں رہ کر سلمان گھر آچکا تھا۔ جب تک سلمان اسپتال میں رہا مناہل جائے نماز پر بیٹھی اس کے لئے دعائیں کرتی رہی تھی اس نے سجدے میں گر کر اپنے رب کے حضور گڑگڑا کر سلمان شاہ کو مانگا تھا اس کی عمر درازی کی دعا کی تھی۔ وہ تینوں ہی مناہل کی حالت پر جہاں حیران تھے وہیں دل میں خوشی بھی ہوئی تھی۔ کہ بالآخر اس کے دل میں بھی سلمان شاہ کے لئے محبت پیدا ہوگئی تھی ان کے دوست کی خاموش محبت رنگ لے آئی تھی۔ گھر آنے کے اگلے روز ہی زین نے سلمان شاہ کو مناہل کی بے قراری اور اس کی اضطرابی کیفیت کے بارے میں بتایا تو سلمان شاہ حیران ہوئے بنا نہ رہ سکا تھا۔

''سفیان! یہ سُوپ لے جاؤ۔'' مناہل نے کچن سے نکل کر لاؤنج میں بیٹھے سفیان کو کہا۔

''کیوں! تم خود لے آؤ ناں!'' سفیان نے آئی بروچڑھا کر کہا۔

''سفیان پلیز! تم خود لے جاؤ۔'' مناہل بیچارگی سے بولی۔

''سوری! میں اس وقت بہت بزی ہوں'' سفیان بے مروتی سے کہتا ایک بار پھر ٹی وی کی جانب متوجہ ہوگیا۔ مناہل ان تینوں کی حرکتوں کو بخوبی محسوس کررہی تھی۔ بلکہ اب تو شانزے بھی اسے بار بار سلمان شاہ کے حوالے سے تنگ کرتی رہتی تھی۔ مگر جب سے دل کا حال عیاں ہوا تھا مناہل سلمان شاہ سے سامنا کرنے سے بھی کترا رہی تھی کہ کہیں اس کی چوری پکڑی نہ جائے اور پھر اس دن والی اس کی حرکت جب وہ بے اختیار ہوکر اس کے سینے سے جا لگی تھی۔ مناہل جب بھی سوچتی تو اپنے پاگل پن پر حیران رہ جاتی۔

مناہل نے سوپ کا باؤل اٹھایا اور سلمان شاہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے پر ہلکی سی دستک کے ساتھ مناہل کمرے میں داخل ہوئی تو وہاں زین کو سلمان شاہ کے پاس موجود دیکھ کر اسے تسلی ہوئی تھی۔ زین مناہل کو دیکھتے ہی ضروری کام کا کہہ کر فوراً ہی کمرے سے باہر نکل گیا۔ جبکہ مناہل اندر ہی اندر ان تینوں کو گالیاں دیتی آگے بڑھی۔ سلمان شاہ جب سے اسپتال سے آیا تھا ان سب کی غیر معمولی حرکتوں کو ملاحظہ کررہا تھا۔ مناہل نے سوپ کا باؤل سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔

''یہ! سوپ پی لیں! گرم ہے ابھی۔'' مناہل بیڈ سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ سلمان شاہ نے ہاتھ پر زور دے کر اٹھنا چاہا مگر کراہ کر رہ گیا۔ تکلیف کی شدت بہت زیادہ تھی۔ مناہل بے اختیار اسے سہارا دینے کو آگے بڑھی تھی۔

''رہنے دو! میں ٹھیک ہوں۔'' سلمان سائیڈ ٹیبل کے سہارے اٹھنے لگا۔ مناہل اس کی بات کو نظر انداز کرتی آگے بڑھی اور سلمان شاہ کو کاندھے سے پکڑ کر بیٹھنے میں مدد کی اور جھک کر اس کی کمر کے پیچھے کشنز لگائے۔ اس کی اس حالت کی وہ خود ہی تو ذمہ دار تھی۔

''سُوپ!'' مناہل نے باؤل اس کے آگے کیا۔

''مگر میں یہ خود سے نہیں کھا سکتا۔'' سلمان شاہ نے دائیں بازو پر بندھی پٹی کی طرف اشارہ کیا تو مناہل پریشان سی ہوگئی۔

''جب اٹھنے میں مدد کی ہے تو کھلانے میں بھی کردو۔'' سلمان شاہ کی خفگی بھری آواز پر وہ اسے دیکھنے لگی۔

اور پھر باؤل لے کر اس کے قریب ہی بیٹھ گئی اور تھوڑا تھوڑا سوپ چمچ میں لے کر اس کے منہ میں ڈالنے لگی۔ مناہل نظریں جھکائے بالکل اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ سلمان شاہ نے محسوس کیا وہ معمول سے زیادہ خاموش اور چپ چپ سی تھی۔ سوجی سوجی سی آنکھیں اور چہرے پر پھیلی اداسی اس بات کا واضح ثبوت تھی کہ وہ روتی رہی ہے۔ اسے زین کی بات پر یقین آنے لگا مگر فوراً ہی اس کے کانوں میں مناہل کے وہ الفاظ جو اس نے یونیورسٹی میں کہے تھے گونج اٹھے۔ سلمان شاہ کی آنکھیں جلنے لگیں۔

''بس۔'' اس نے یکدم ہی چمچ پیچھے کر دیا۔ مناہل نے حیرت سے اسے دیکھا پھر اٹھ کر اسے دوا دی اور دروازہ بند کرتی باہر نکل گئی۔

☆.....☆.....☆

موسم آجکل بہت خوشگوار ہو رہا تھا' خاص کر راتیں۔ کراچی کی راتیں تو بہت حسین ہو رہی تھیں ہلکی سی خنکی لئے خوشگوار ٹھنڈے ہوا کے جھونکے بہت بھلے معلوم ہوتے تھے۔ مناہل اپنے کمرے کے ٹیرس پر کھڑی تھی۔

''میں جانتی ہوں سلمان شاہ! تم مجھ سے آج بھی بہت محبت کرتے ہو۔ بالکل ویسے ہی جیسے تم یونیورسٹی کے زمانے میں کیا کرتے تھے۔ مگر کہنے سے ڈرتے ہو کہ میں ایک بار پھر تمہیں ڈی گریڈ نہ کر دوں۔ تمہیں خالی ہاتھ نہ لوٹا دوں۔ کیونکہ تمہارے خیال میں' میں آج بھی تم سے نفرت کرتی ہوں، میرے دل میں آج بھی تمہارے لئے بدگمانی ہے۔ نہیں! سلمان شاہ نہیں! حالات اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ مناہل بھی بدل چکی ہے۔ وہ مناہل تو کوئی اور تھی جسے تمہارے اور تمہارے دوستوں کے خلاف شدید قسم کی غلط فہمی ہو گئی تھی جو بلاوجہ تم سے خائف اور نالاں رہتی تھی۔ مگر یہ مناہل! یہ مناہل تو کوئی اور ہی ہے جس کے دل میں تمہارے لئے محبت ہی محبت ہے ہاں سلمان شاہ تم جیت گئے۔ تمہاری محبت جیت گئی ہے۔ تم نے مناہل اسد کے دل کو مسخر کر لیا ہے۔ میں ہار گئی ہوں اور مجھے اپنی ہار بہت عزیز ہے۔'' مناہل نے ریلنگ پر دونوں ہاتھ ٹکائے اور روشن ہوتے چاند کو دیکھنے لگی۔

''کاش! میں تمہیں بتا سکتی سلمان شاہ! کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔ تمہاری خاموشی کس طرح میرے لئے کرب کا باعث بنتی ہے۔ کاش! کاش میں تمہیں بتا سکتی کہ جب تم مجھے خاموش نگاہوں سے دیکھتے ہو تو میری دھڑکنوں میں ایک شور سا برپا ہو جاتا ہے۔ مگر میں کیا کروں؟ میں یہ سب شاید کبھی نہ کہہ سکوں۔ مجھے ہر پل اک خوف سا رہتا ہے کہ جب تم میری اصلیت جانو گے تو مجھ سے دور ہو جاؤ گے اور میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ تم تو مجھے اب بھی وہی مناہل سمجھتے ہو گے۔ مگر جب تمہیں پتہ چلے گا کہ میں ایک بیوہ ہوں تو تم مجھ سے دور ہو جاؤ گے۔ ہاں! میں وہ بدنصیب ہوں جو شادی کے تین دن بعد ہی بیوہ ہو گئی۔'' مناہل کے رخسار پر آنسو کی لڑی پھسلتی چلی گئی۔

''جب تمہیں پتہ چلے گا کہ میں سروش کی بیوہ ہوں۔ تو جانے تمہارا کیا ری ایکشن ہو۔ اتنی بڑی بات چھپانے پر تم مجھے کیا سزا دو۔ میں سب کچھ سہہ سکتی ہوں۔ مگر تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔ میں ایک اور سروش کو نہیں کھونا چاہتی۔'' مناہل سسک پڑی۔

''اے میرے اللہ! مجھ پر رحم فرما دے میری تمام دانستہ اور نادانستہ غلطیوں کو معاف فرما دے مجھے بخش

دے میری مدد فرما۔'' مناہل اپنے رب سے مخاطب تھی۔

''نجانے میرے لئے اور کتنی آزمائشیں ہیں۔'' مناہل چہرے پر دوچار چھپکے مار کر باہر نکل آئی۔ لاؤنج میں کافی دیر سے فون چیخ رہا تھا مگر اس کی پکار سننے والا کوئی نہ تھا۔ مناہل نے آگے بڑھ کر فون اٹھایا۔

''ہیلو! کون؟'' مناہل نے رسیور کانوں سے لگایا۔

''جی کون بول رہا ہے؟'' دوسری طرف خاموشی پا کر مناہل پھر بولی۔

''کیسی ہو جان من! اب ہماری آواز بھی نہیں پہچان رہیں۔'' رسیور سے بھاری مردانہ آواز گونجی تو مناہل لمحے میں ہی آواز پہچان گئی۔

''ک...کون! ارباز...!'' مناہل نے کانپتی آواز میں کہا۔

''شکر ہے ارباز کی جان! تم نے پہچانا تو...!'' دوسری طرف وہ خباثت سے بولا۔

''تت...! تم نے یہاں فون کیوں کیا ہے؟ تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟'' مناہل نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''یہ بتانے کے لئے کہ میں بہت جلد آ رہا ہوں۔ تمہیں لینے کے لئے۔ بس تم تیار رہنا۔'' ارباز نے دوٹوک ہو کر کہا۔

''تم یہاں نہیں آؤ گے اور میں کبھی بھی تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ تم جاہل انسان، دولت کے لالچ میں تم نے سروش کو بھی مار ڈالا۔'' مناہل غصے سے چیخ اٹھی۔

''میں نے نہیں تم نے۔ سروش تمہاری وجہ سے مرا ہے۔ نہ تم اتنا بڑا قدم اٹھاتیں اور نہ میرے ہاتھوں وہ بیچارہ ضائع ہوتا۔ اور آج تم ایک بات کان کھول کر سن لو تم بچپن سے میری ہو اور ہمیشہ میری ہی رہو گی اور جو کوئی بھی ہم دونوں کے بیچ آئے گا اور دیوار بننے کی کوشش کرے گا۔ اسے گرانے میں' میں ایک لمحہ بھی نہیں لگاؤں گا۔ اس لئے تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ شرافت سے میرے ساتھ چل پڑنا ورنہ اپنے اس نئے عاشق اور ان تینوں منہ بولے بھائیوں کی موت کی ذمہ دار بھی تم ہو گی۔ سن لو اچھی طرح۔''

''ہیلو ہیلو...! ہیلو!'' دوسری طرف سے فون بند ہو چکا تھا۔ جبکہ مناہل ہاتھ میں رسیور تھامے سکتے میں آ گئی۔ ڈر تو اسے تھا کہ وہ لوگ اتنے آرام سے اس کا پیچھا چھوڑنے والے نہیں۔ جس دن سے شہباز لالہ کا اس سے سامنا ہوا تھا وہ ہر وقت خوفزدہ رہنے لگی تھی۔ گیٹ پر ہونے والی ہر دستک پر وہ بری طرح چونک پڑتی۔ وہ لوگ گھر دیکھ چکے تھے کسی بھی وقت اس تک پہنچ سکتے تھے۔ سلمان شاہ کو بھی اس بات کا اندازہ تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے ان تینوں کو خاص تاکید کر دی تھی۔ کہ گھر میں مناہل کو تنہا نہیں چھوڑنا ان چاروں میں سے کوئی ایک ضرور اس کے پاس گھر میں رہنا چاہئے۔ اس وقت گھر پر صرف سلمان شاہ تھا۔ مناہل کچھ سوچ کر اٹھی اور اس کے کمرے میں جھانکا، کمرے میں اندھیرا تھا غالباً وہ سو رہا تھا آج صبح سے اس کے ہاتھ میں بہت درد تھا۔

مناہل نے ٹائم دیکھا ساڑھے دس ہو رہے تھے بارہ ایک سے پہلے ان تینوں میں سے کوئی بھی آنے والا نہیں تھا۔ مناہل اس فون کال سے بہت زیادہ ڈر گئی تھی۔ وہ اپنی وجہ سے ان چاروں کو کوئی تکلیف دینا نہیں چاہتی تھی۔ مناہل نے اپنے گرد شال لپیٹی اور سیڑھیاں اترتی نیچے آ گئی۔ مین گیٹ کراس کرتے

ہوئے ان خاموش نگاہوں نے اس کا رستہ روکنا چاہا تھا' کسی کی پرخلوص محبت نے اس کے بڑھتے قدموں کو جکڑا تھا مگر مناہل ان سب سے نظریں چراتی دل پر ہاتھ رکھتی دروازے سے باہر آ گئی۔ گلی میں گہرا سناٹا چھایا تھا۔ بس گھروں کی لائٹس آن تھیں یا پھر گلی کے کونے پر لگا وہ بلب روشن تھا۔ جس سے صرف اس کے آس پاس کا حصہ ہی روشن تھا۔ ایک پل کو مناہل کے قدم ڈگمگائے تھے مگر وہ پھر کسی بے قصور کو اپنی وجہ سے موت کے گھاٹ نہیں اتار سکتی تھی۔ ارباز سے کچھ بعید نہ تھا جب وہ سروش کو مار سکتا تھا اس کے شوہر کو' تو وہ انہیں بھی اپنی گولی کا نشانہ بنا سکتا ہے۔ اور وہ ایسا کبھی نہیں چاہ سکتی تھی۔ انہوں نے اسے محبت دی تھی تحفظ دیا تھا وہ کیسے انہیں خطرے میں ڈال دیتی۔ ویسے ہی ایک بار سلمان شاہ اس کی وجہ سے ان کی گولی کا نشانہ بن چکا تھا۔ مناہل اپنی سوچوں میں گم گلی کے کونے تک ہی پہنچی تھی کہ اس کو اپنے عقب میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ مناہل بغیر رُکے چلتی رہی۔ تب ہی کتے کے بھونکنے کی آواز پر وہ بری طرح اچھل پڑی۔

''محض کتے کی آواز پر سہم جانے والی لڑکی سے رات کے اندھیرے میں گھر سے نکلنے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟'' سنجیدہ سی مردانہ آواز پر مناہل نے چونک کر مڑ کے دیکھا۔ سامنے ہی سلمان شاہ سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

''آپ.....!'' مناہل اسے دیکھ کر گھبرا گئی۔

''جی...! اس طرح گھر سے نکلنے کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟'' سلمان نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''میں...! میں! میں خود کو آپ کے کسی سوال کے جواب کا پابند نہیں سمجھتی۔'' مناہل نے تمام تر ہمتیں جمع کر کے کہا اور مڑ کر قدم بڑھانے چاہے۔

''بہت جلد پابند بھی بنا لوں گا۔'' سلمان شاہ بڑبڑایا اور آگے بڑھ کر اسکی کلائی تھام لی۔

''گھر چلو وہاں چل کر بات کرتے ہیں۔''

''نہیں! میں اب اس گھر میں نہیں جاؤں گی۔'' مناہل نے اپنی کلائی چھڑانا چاہی مگر گرفت بے حد مضبوط تھی۔

''کیوں...؟'' سلمان شاہ نے اسے گھورا۔

''ہیں...! یہ تم دونوں اس وقت یہاں کھڑے ہو کر کیا مذاکرات کر رہے ہو؟'' علی نے حیرانگی سے ان دونوں کو بیچ گلی میں کھڑے دیکھا۔

''میں! میں مزید آپ لوگوں پر بوجھ نہیں بن سکتی۔ میں اپنی وجہ سے آپ سب کو کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتی۔ میری وجہ سے ایک بار پہلے بھی آپ پر حملہ ہو چکا ہے۔ میں مزید کوئی رسک نہیں لے سکتی۔ میری یہاں موجودگی آپ سب کو خطرے میں ڈال سکتی ہے اور میں ایسا نہیں چاہتی مناہل کی آواز بھرا گئی۔

''مجھے افسوس ہے مناہل! کہ تم اب تک ہماری محبتوں کو سمجھ نہیں سکی ہو۔ تمہارا یہ رویہ ہمیں بہت تکلیف دے رہا ہے۔'' علی نے افسردگی سے اس بے بس لڑکی کو دیکھا۔

''کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تمہیں میری جان کی اس قدر فکر کیوں ہو رہی ہے؟'' سلمان شاہ نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا تو علی نے بے اختیار دل ہی دل میں سلمان شاہ کو ویل ڈن کہا تھا۔ مناہل اس کی بات پر خاموشی سے سر جھکائے لب کاٹنے لگی۔

''میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا اب پھر کہہ رہا ہوں۔ کہ میرے ہوتے تمہیں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا' اور پھر اب تو تین عدد بھائی بھی تمہارے محافظ ہیں۔ پھر کیسا ڈر کیسا خوف؟ اور رہی بات ہماری۔ تو جان لو یہ شہر ہے کوئی گاؤں نہیں' ہم اپنی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ اس لئے بی ریلکس۔'' سلمان نے نرمی سے بات مکمل کی اور علی کو اسے گھر لانے کا اشارہ کرتا آگے بڑھ گیا۔

☆.....☆.....☆

مناہل! میں نے چولہے پر پانی گرم کرنے رکھا تھا۔'' زین نے استری کرتی مناہل سے پوچھا۔

''وہ تم نے رکھا تھا۔ مگر وہ تو علی لے گیا۔'' مناہل نے حیرت سے دیکھا اور اسے اطلاع دی۔

''لعنت ہو! خدا کرے نلکوں میں پانی ہی نہ آئے' اور تو اسی کھولتے ہوئے پانی سے نہائے۔'' زین اسے گالیاں دیتا کچن میں گھس گیا۔ مناہل اس کی بات پر بے اختیار ہنس پڑی تھی۔

''مناہل میرے کپڑے۔'' واش روم سے علی کی آواز سنائی دی تو وہ اسٹینڈ پر کپڑے چھوڑ کر علی کی استری شدہ شلوار میں ناڑا ڈالنے لگی۔

''سفیان! ذرا یہ علی کو پکڑانا۔'' مناہل نے سامنے بیٹھے سفیان کو شلوار تھمائی۔

''زین پلیز! ذرا چولہے کی آنچ سلو کر دو۔'' مناہل نے کچن میں موجود زین کو آواز لگائی۔

''میرے کپڑے پریس ہو گئے؟'' سفیان نے گھڑی پر نظر دوڑائی۔

''ہاں! سب کے ہو گئے بس یہ سلمان کے رہتے ہیں۔ اندر کمرے میں ہینگ کر دیئے ہیں۔ مناہل کی ہر جمعے کو یہی مصروفیت رہتی تھی۔ دوپہر کے لئے کھانا بھی تیار کرنا ہوتا تھا۔ کیونکہ نماز کے بعد ہی کھانے کا شور مچ جاتا۔ جبکہ صبح ناشتے سے ہی وہ اتنی دیر میں فارغ ہو پاتی تھی اور پھر ان سب کے کپڑے پریس کرنا۔ کبھی کسی کا بنیان نہیں ملتا تو کبھی شلوار میں ناڑا نہ ہونے پر شور مچ جاتا۔ اور عین ٹائم پر ٹوپی کی ڈھونڈ ضرور مچتی۔ جب تک وہ نماز کے لئے روانہ نہ ہو جاتے مناہل یونہی گھن چکر بنی رہتی تھی۔

''اور میرا بنیان کہاں رکھا ہے؟'' سفیان نے عجلت میں پوچھا۔

''اوف ہو! بھئی وہیں ہے کپڑوں کے ساتھ۔'' مناہل نے مصروف سے انداز میں کہا۔ سامنے صوفے پر براجمان سلمان شاہ کافی دیر سے اس کو کاموں میں الجھا دیکھ رہا تھا۔

''میرے کپڑے رہنے دو میں خود پریس کر لوں گا۔'' سلمان شاہ اٹھ کر اسٹینڈ کے قریب آیا۔

''کیوں؟ میں کر رہی ہوں ناں!'' مناہل نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اگر یہی میں پوچھوں کیوں؟ تو...!'' سلمان نجانے کیا پوچھنا چاہتا تھا۔

''کیا مطلب کیوں؟ میں سفیان، علی اور زین کے بھی تو کرتی ہوں۔'' مناہل الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔

''وہ تو تمہارے بھائی ہیں ناں! ان کے کام تو تم کرو گی۔ مگر میں پوچھ سکتا ہوں کہ میرے کام تم کس رشتے سے؟ کس حق سے کرتی ہو؟'' سلمان شاید تھک گیا تھا۔ آج وہ اس کے منہ سے سچ اگلوانا چاہتا تھا۔ مناہل کچھ لمحے اسے دیکھتی رہی پھر بولی۔

''اسی رشتے سے، جس رشتے اور حق سے آپ مجھے یہاں اپنے گھر لائے تھے۔'' مناہل اس کی آنکھوں میں دیکھ کر مضبوط لہجے میں بولی اور استری کا پلگ نکالتی آگے بڑھ گئی۔ جبکہ سلمان شاہ اس کے لفظوں پر غور کرتا

رہ گیا۔

☆......☆......☆

''یار! مس شمیم آج بھی نہیں آئی۔ پچھلے دو دن سے B.Sc والوں کی Bio کی کلاس نہیں ہو پا رہی ہے۔ آج بھی اسٹوڈنٹس شکایات کر رہے تھے کہ ان کا بہت loss ہو رہا تھا۔'' سفیان ابھی ابھی نیچے آفس بند کر کے آیا تھا۔ اس وقت لاؤنج میں علی اور زین کے علاوہ مناہل بھی موجود تھی۔

''بی۔ایس۔سی میں! ابے یار تُو مجھے بولتا نا میں جا کر پڑھا دیتا۔'' علی نے خفگی سے سفیان کو دیکھا۔

''تجھے....! کبھی زندگی میں بائیو کی بک کھول کے بھی دیکھی ہے؟'' زین نے اچھنبے سے اسے دیکھا۔ جبکہ سفیان اسے گھورنے میں مصروف تھا۔

''بہت ہی بے غیرت انسان ہے تُو قسم سے جانتا ہے! کہ ٹیچر اسٹوڈنٹ کے باپ کی جگہ ہوتا ہے۔'' سفیان نے اسے تاسف سے دیکھا۔ جبکہ مناہل کے سامنے پول کھل جانے کے ڈر سے علی ان دونوں کے آگے ہاتھ جوڑنے لگا۔

''کیا بات ہے؟ مجھے بھی بتاؤ!'' مناہل نے مشکوک ہو کر علی کو دیکھا۔

''نہیں! کچھ نہیں....!'' علی نے زین کو گھورا جو کہ اسے بتانے کے لئے منہ کھول ہی رہا تھا مگر وہ زین ہی کیا جو چپ ہو جائے فوراً اٹھ کر مناہل کے پاس آ گیا۔

''مناہل! یار! تم نے وہ بی ایس سی کی اسٹوڈنٹ سبرینہ دیکھی ہے؟'' زین نے رازدارانہ انداز میں سرگوشی کی۔

''وہ یار! وہ کرلی ہیئرز، پرنسس والی عینی ٹائپ۔'' زین نے اسے یاد دلانا چاہا۔

''اچھا! اچھا....! وہ! شی از اے بیوٹی فل گرل اینڈ آل سو جینیئس۔'' مناہل نے یاد آنے پر اس کی بے اختیار تعریف کی۔

''یس بیوٹی فل ہے اور یہی ساری بات کی جڑ ہے۔'' زین نے معنیٰ خیزی سے کہا۔

''تو! تو کیا! علی اور سبرینہ ایک دوسرے میں....!'' مناہل نے حیرت سے علی کو دیکھا جو سر کھجا رہا تھا۔

''ہاں! اور اس خبیث کو کوئی نہیں ملی تھی۔ ہمارا کوچنگ بدنام کروائے گا۔'' سفیان نے اسے گھورا۔

''علی....!'' مناہل آنکھیں پھاڑے اسے تک رہی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں! یہ دونوں یونہی بک رہے ہیں۔'' علی نے اپنا دفاع کرنا چاہا۔

''اچھا ذرا اپنا ان باکس چیک کرانا آدھے سے زیادہ میسجز اسی کے ہونگے۔'' زین نے لتاڑا۔ آج برا پھنسا تھا وہ۔

''نہیں یار زین! علی ٹھیک کہہ رہا ہے، ہو سکتا ہے ہمیں غلط فہمی ہوئی ہو وہ کوئی اور ہو۔ ویسے آپس کی بات سبرینہ مجھے اچھی لگتی ہے۔'' سفیان نے زین کو آنکھ ماری۔

''بکو مت!'' علی نے اسے گھورا تو وہ دونوں قہقہہ لگا کر ہنس دیئے۔

''علی کے بچے! مجھ سے چھپایا تم نے۔'' مناہل نے اسے کشن دے مارا تو وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا اور مناہل کو سارا قصہ سنانے لگا جس پر زین اور سفیان درمیان میں خود سے کوئی نہ کوئی بات ایڈ کر دیتے جس پر علی بھنا کر رہ جاتا۔ وہ چاروں خوش گپیوں میں مصروف تھے تب ہی سلمان شاہ ہاتھوں میں شاپرز لئے سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا۔ اس نے لاؤنج میں قدم رکھا تو وہ چاروں حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

''یہ اس میں کچھ ڈریسز ہیں دیکھ لو! پسند آئیں تو....!'' سلمان شاہ نے مناہل کے آگے ٹیبل پر تمام شاپرز رکھ دیئے۔ وہ تینوں کچھ لمحے حیرت سے اسے دیکھتے رہے پھر مختلف آوازیں نکالنے لگے۔ علی بری طرح کھانسنے لگا تھا جبکہ زین کو اچھو لگ گیا تھا۔ سفیان بھی اسے دیکھ کر معنیٰ خیزی سے گلا صاف کرنے لگا۔ سلمان شاہ ان سب کو نظر انداز کرتا صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔ جبکہ مناہل کی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا ری ایکٹ کرے۔

''یار! دیکھو تو! اپنے سلمان شاہ کی لیڈیز چوائس کیسی ہے؟'' سفیان نے مناہل کو شاپرز کھولنے کا اشارہ کیا۔ مناہل جب سے یہاں آئی تھی تو کبھی سفیان، کبھی علی، تو کبھی زین اسے اپنے ساتھ مارکیٹ لے جاتے تھے اور اسے خود شاپنگ کرا دیتے۔ مگر سلمان شاہ آج تک کبھی خود سے اس کے لئے کچھ نہ لایا تھا۔ یہ ذمہ داری اس نے ان تینوں کو دے رکھی تھی۔ اس لئے آج جب وہ پہلی بار اس کے لئے شاپنگ کر کے آیا تو ان تینوں کے ساتھ ساتھ مناہل بھی حیران تھی۔ کاٹن اور آرکنڈی کے بڑے بڑے دوپٹوں کے ساتھ نہایت خوبصورت پرنٹ کے سوٹ تھے کلرز بھی سب ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔

''گڈ چوائس! یار مناہل اس شاپنگ کو دیکھ کر لگتا نہیں کہ اپنا سلمان پہلے بھی لیڈیز شاپنگ کرتا رہا ہے۔'' علی نے سرگوشی کی جو سلمان سمیت سب سن چکے تھے۔

''ہاں! اگر کہو تو میں پرانا ریکارڈ معلوم کراؤں۔'' زین نے بھی آگ لگاتے ہوئے اپنی خدمات پیش کیں۔

''یار سلمان! تو کچھ کہہ نہیں رہا یہ دونوں مناہل کو تجھ سے بدگمان کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' سفیان نے سلمان کو اکسایا۔

''کرنے دو ان کے کہنے سے وہاں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔'' سلمان شاہ نے سامنے بیٹھی مناہل پر نظریں جمائیں تو وہ نظریں جھکا گئی۔

''اُوہ....!'' تینوں کورس میں چیخے تھے۔ سلمان شاہ کے لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ ٹھہر گئی۔ ڈور بیل کی آواز پر علی نیچے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ مناہل تمام شاپرز سمیٹنے لگی تھی تب ہی سیڑھیوں پر بہت سارے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ چاروں ہی چونک کر اس طرف متوجہ ہوئے۔ مناہل نے خوفزدہ ہو سلمان شاہ کو دیکھا تھا۔ جس پر وہ فوراً ہی کھڑا ہو کر دو قدم آگے بڑھا تھا۔ اسی لمحے زوردار دھکے کے ساتھ زین پر علی آ کر گرا تھا۔ اس کے پیچھے ارباز، شہباز لالہ اور چاچا سائیں کے علاوہ تین چار ان کے باڈی گارڈز بھی کھڑے تھے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر سفیان اور زین اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔

''چاچا سائیں!'' مناہل کی گھٹی گھٹی سی آواز نکلی تو ان چاروں نے اس کے سفید پڑتے چہرے کو دیکھا تھا۔ بس ایک لمحہ لگا تھا انہیں ان سب کو پہچاننے میں۔ سلمان شاہ کی ضبط شدت سے مٹھیاں بھینچ گئیں اس کی نظروں میں زخمی مناہل اور اس کی چیخیں آ گئیں۔

''تمہیں میں نے کہا تھا نا کہ میں لینے آؤں گا۔ تم تیار رہنا۔'' ارباز کی آنکھوں میں چھپی خباثت ان

چاروں کو طیش دلا گئی۔

"چلو! میں تمہیں لینے آیا ہوں" ارباز نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی پکڑنا چاہی۔

"نہیں...!" مناہل بھاگتی ہوئی سلمان شاہ کے پیچھے چھپ گئی۔ جبکہ سفیان نے اس کے مناہل کی طرف بڑھتے ہاتھ کو پیچھے جھٹکا۔

"دیکھو! مجھے مجبور مت کرو۔" ارباز نے گن نکال کر سفیان پر تانی تو مناہل کی چیخ نکل گئی۔

"ارباز! یہ کیا حرکت ہے؟ میں کس لئے آیا ہوں؟ ہٹو وہاں سے!" چاچا نے گرج کر اسے پکارا تو وہ اسے گھورتا پیچھے ہٹ گیا۔

"دیکھو! یہ ہماری بچی ہے ہمارے گھر کی عزت ہے ہم اس کے سرپرست ہیں۔ اسے لینے آئے ہیں۔" چاچا نے تحمل سے بات شروع کی۔

"مگر ہم اس کی مرضی کے خلاف آپ کے ساتھ اسے نہیں بھیج سکتے۔" زین نے نفی میں سر ہلایا۔

"تم کون ہوتے ہو اسے بھیجنے اور نہ بھیجنے والے؟ یہ ہماری عزت ہے۔ ایسے کیسے یہ گھر کے ہوتے ہوئے چار چار نوجوان غیر لڑکوں کے ساتھ دن گزار رہی ہے؟" شہباز لالہ غصے سے پھنکارے۔

"مناہل بچے! چل میرے ساتھ۔ تیری چاچی تجھے یاد کر رہی ہے۔" چاچا نے لہجے میں پیار سموتے ہوئے کہا اور اس کی طرف بڑھے۔

"نہیں! میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی آپ سب قاتل ہو۔ آپ لوگوں نے مجھ سے میرے سروش کو چھین لیا۔ مار ڈالا اسے۔ میں آپ لوگوں کی صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔ چلے جائیں یہاں سے۔" مناہل پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی۔ اس کی بات پر سلمان شاہ کے ساتھ ان تینوں نے بھی چونک کر اسے دیکھا تھا جبکہ دوسری طرف ارباز چاچا کے گھورنے پر نظریں چرا گیا۔

"مناہل بچے! گھر چل کر بات کرتے ہیں۔ اس نالائق سے تو شادی کرنا نہیں چاہتی ٹھیک ہے نہ کر پر ہمارے ساتھ گھر تو چل۔" چاچا نے ایک بار پھر کہا ساتھ ہی اسے پکڑنے کو آگے بڑھے تو سلمان شاہ مناہل کے سامنے آ گیا۔ جبکہ وہ تینوں سلمان شاہ کے آگے کھڑے ہو گئے۔ ان کے اس طرح دیوار بن جانے پر چاچا سائیں ایک پل کو خائف سے ہو گئے۔ اتنا تو وہ جانتے تھے کہ یہ شہر ہے یہاں ان کی جاگیردارانہ حکومت نہیں چل سکتی۔

"میں! تم لوگوں پر کیس کرا سکتا ہوں۔ ایک نوجوان لڑکی کو بنا کسی رشتے کے تم لوگوں نے اپنے گھر میں زبردستی رکھا ہوا ہے۔" شہباز لالہ نے دھمکی دی۔ جبکہ سلمان شاہ کو شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا بنا کسی مضبوط رشتے کے وہ مناہل پر اپنا حق نہیں جتا سکتا تھا۔ جبکہ وہ اس کے سگے تھے۔

"جو کرنا ہے کر لو! مگر کیس اب تم سب پر بنے گا۔ سروش کے قتل کا کیس۔ سلمان شاہ پر حملے کا کیس اور بھتیجی کی دولت پر قبضہ جمانے کا کیس۔" سفیان نے اس کی دھمکی کا منہ توڑ جواب دیا تھا۔ جس پر وہ سب گڑبڑا کر رہ گئے۔

"اور رہی بات مناہل سے ہمارے رشتے کی تو سن لو یہ میری ہونے والی بیوی ہے۔ کل میرا اور مناہل کا نکاح ہے۔ بڑے ہونے کی حیثیت سے شرکت ضرور کریئے گا۔ اور یہ تینوں اس کے بھائی ہیں اور یہ رشتے بہت مضبوط اور پاکیزہ ہیں۔" سلمان شاہ جواب تک خاموش تھا بول پڑا جس پر ایک لمحے کو وہاں موجود سب کو سانپ سونگھ گیا۔

"اب آپ سب لوگ جا سکتے ہیں میں مزید آپ لوگوں کا وجود اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتا اور ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ آئندہ کبھی یہاں آنے کا سوچیں بھی تو یاد رکھئے گا کہ مناہل اسد مناہل سلمان ہے اور اس کے محافظ ہر وقت یہاں موجود ہونگے کہ مجھے اپنی عزت کی حفاظت کرنا آتی ہے۔" سلمان شاہ بول رہا تھا۔ جبکہ وہ تینوں اب تک ان دونوں کے دائیں بائیں کھڑے تھے۔ مناہل ان چاروں کے پیچھے چھپ کر رہ گئی تھی۔

"بھنا! باہر نکل آئیے! وہ لوگ جا چکے ہیں۔" علی نے شرارت سے سلمان شاہ کے پیچھے سہمی ہوئی مناہل کو دیکھا تو وہ شرمندہ ہوتی سامنے آ گئی۔ سلمان شاہ نے ایک نظر مناہل پر ڈالی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا لاؤنج سے باہر نکل گیا۔ وہ تینوں حیرت سے اسے جاتا دیکھنے لگے تب مناہل کے رونے پر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"ہیں...! اب تمہیں کیا ہوا؟" زین نے آنسو بہاتی مناہل کو دیکھا۔

"وہ...! وہ سلمان مجھ سے خفا ہیں۔" مناہل نے روتے ہوئے کہا۔

"یار! اب اتنا تو اس کا حق بنتا ہے۔ تمہیں ضرورت کیا تھی اس سے کوئی بات چھپانے کی اگر پہلے بتا دیتیں تو اب تک وہ لوگ سلاخوں کے پیچھے ہوتے اور ہم تم دونوں کے بچوں کو کھلا رہے ہوتے۔" علی نے بے ساختہ کہا تو سفیان نے اس کے چپت رسید کی۔

"ہلکا رے ذرا! اتنا فاسٹ کیوں جا رہا ہے۔" زین نے بھی اسے گھورا۔

"میں ڈر گئی تھی کہ کہیں....!" مناہل ادھوری بات چھوڑ کر رک گئی۔

"میں ان کی خفگی برداشت نہیں کر سکتی۔ میں ان سے....!"

"اے! اے لڑکی! شرم نہیں آتی بھائیوں کے سامنے اظہار محبت کرتے۔ جو کہنا ہے اس کے سامنے جا کر کہو ناں!" سفیان نے مصنوعی انداز میں اسے گھورا۔

"م... مجھے ان سے ڈر لگتا ہے۔" مناہل منمنائی۔

"چلو! چھٹی ہوئی۔" وہ تینوں سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ جبکہ باہر ٹیرس پر کھڑا سلمان شاہ بے اختیار مسکرا دیا تھا اور پھر وہ رات تک مناہل کا منتظر ہی رہا۔ مگر مناہل اپنی تمام تر ہمتیں جمع کر کے بھی سلمان شاہ کے سامنے اظہار محبت کرنے میں ناکام رہی تھی۔

☆.....☆.....☆

آج صبح سے ہی موسم ابر آلود ہو رہا تھا۔ ہوا بھی بالکل بند تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے گھٹا چھا گئی۔ دوپہر کے 2 بج رہے تھے مگر یوں معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے شام کے 6 بجے کا وقت ہو۔ مناہل نے دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر کچن صاف کیا اور جلدی جلدی کام نمٹاتی باہر آ گئی۔ آج کل کوچنگ میں بھی کلاسز نہیں ہو رہی تھیں۔ پریکٹیکل ہو رہے تھے جن کے انچارج علی اور سلمان شاہ تھے۔ جبکہ آفس زین اور سفیان سنبھال رہے تھے۔ آج کل نیو ایڈمشن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مناہل فون پر شانزے سے محو گفتگو

تھی۔ تب نیچے سے سفیان اور زین تقریباً بھنگڑا ڈالتے اوپر آئے۔ یکدم ہی گرج چمک کے ساتھ بارش شروع ہو چکی تھی۔

"مناہل ڈیئر! پکوڑے اور چائے ہو جائے۔" مناہل ان کی فرمائش پر ایک بار پھر کچن میں گھس گئی۔ جبکہ وہ دونوں جینز کے پائنچے فولڈ کرتے چھت پر چڑھ گئے۔ مناہل گرما گرم پکوڑوں اور چائے کے تھرماس سمیت جب چھت پر پہنچی تو زین اور سفیان کے ساتھ سلمان اور علی بھی موجود تھے۔

"جیو! بہنا....! جیو!" اسے دیکھتے ہی تینوں نے نعرے بلند کیے۔ مناہل نے چھت پر بنے شیڈ کے نیچے لوازمات کی ٹرے رکھ دی اور خود باہر بارش میں کھڑی ہو گئی۔ تیز رفتار میں ہوتی بارش نے کچھ ہی دیر میں اسے پورا پورا بھگو ڈالا تھا۔ وہ تینوں پکوڑوں اور سموسوں سے انصاف کرنے میں مشغول تھے سلمان شاہ دیوار پر ہاتھ ٹکائے نیچے گلی میں جھانک رہا تھا۔ ٹخنوں تک پائنچے فولڈ کیے بلیک شرٹ میں اس کی رنگت مزید چمک رہی تھی۔ آستینوں کو بھی کہنیوں تک فولڈ کر رکھا تھا یہ سلمان شاہ کا مخصوص اسٹائل تھا۔ بارش میں گیلے ہونے کے سبب بال پیچھے چپک کر رہ گئے تھے۔ وہ مناہل کو خفا خفا سا دل میں اُترتا محسوس ہوا۔ پکوڑوں پر ہاتھ صاف کرتے وہ لوگ دو تین بار سلمان شاہ کو آواز دے چکے تھے۔ مگر بارش کے شور میں ان کی آواز اس تک پہنچ نہیں رہی تھی۔ یا پھر وہ جان بوجھ کر اپنی محویت کو قائم کیے ہوئے تھا۔

"سلمان...!" سفیان نے بلند آواز میں پکارا تھا۔ سلمان شاہ اس بار بھی متوجہ نہ ہوتا۔ اگر اس کے علی کا پھینکا ہوا پکوڑا نہ لگتا۔

"کیا ہوا؟" سلمان نے مڑ کر اسے گھورا۔ تب ہی اس کی نظر بارش میں بھیگتی مناہل پر ٹھہر گئی۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں گم کھڑی تھی۔

"مناہل! تم مجھے منا کیوں نہیں لیتیں؟" سلمان شاہ کے لیے خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ وہ بے اختیار بڑھتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

"ٹھنڈ لگ جائے گی۔ اندر آ جاؤ!" سلمان شاہ نے بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا' اور آگے بڑھ گیا۔ مناہل نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر پانی صاف کیا اور اس کے پیچھے چلتی ان کے درمیان بیٹھ گئی۔

"چائے..." مناہل نے تھرماس سے چائے نکال کر سب کو دی۔ سلمان نے شکوہ کرتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور اس کے ہاتھ سے کپ تھام لیا۔ اس کے اس انداز پر مناہل نظریں چُرا کر رہ گئی۔ وہ اس کی خفگی سے بے خبر نہیں تھی۔ علی نیچے سے بیٹ بال لے آیا۔ اور پھر وہ چاروں کرکٹ کھیلنے لگے۔ مناہل نے ان کے بے حد اصرار پر ایمپائر بننے پر اکتفا کیا تھا۔

"چیٹنگ نہیں کرنی! کبھی اپنے والے کو آؤٹ ہی نہ دو۔" علی نے اسے گھور کر وارننگ دی۔ تو وہ دھیرے سے ہنس دی۔ سلمان نے بھی رُخ موڑ کر اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی۔ کافی دیر وہ لوگ بارش میں کھیلتے رہے۔ دور دور سے مغرب کی اذانیں ہونے لگی تھیں۔

"میں تو چلی! مجھے رات کا کھانا بھی بنانا ہے۔" مناہل برتن سمیٹتی کھڑی ہو گئی۔

"ہاں! واقعی اب سردی لگنے لگی ہے۔" زین بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاں! کافی تھکن ہو گئی ہے۔" سفیان بالوں میں انگلیاں چلاتا ہوا کھڑا ہوا۔ پھر سیڑھیاں اترتی مناہل کو

آواز دے ڈالی۔

"جی...!" مناہل اچانک ہی رُک کر مڑی اور اس کے پیچھے' اترتا زین اس سے ٹکرا گیا۔ اگر وہ فوراً ہی اس کا ہاتھ نہ پکڑتا تو مناہل بی بی اس ذرا سے ٹکراؤ پر نیچے لڑھک چکی ہوتیں۔

"وہ....! کھانا مت بنانا میں بازار سے لے آؤں گا۔" سفیان نے مناہل کے گھورنے پر اسے آواز دینے کا مقصد بیان کیا تو وہ سر جھٹکتی سیڑھیاں اتر گئی۔ وقفے وقفے سے سب ہی اتر گئے تھے۔ اب واش روم میں لائن لگی تھی۔ مناہل نے کچن میں برتن رکھے اور کپ وغیرہ دھو کر باہر نکل آئی۔ کھانا تو بنانا نہیں تھا۔ مناہل اپنے کپڑے اٹھائے واش روم میں گھس گئی۔ نہا کر نکلی تو ساڑھے آٹھ کا وقت ہو رہا تھا۔ دس بجے سے پہلے کوئی کھانا نہیں کھاتا تھا۔ وہ سب بھی چینج کر کے اب باہر نکل گئے تھے۔ مناہل یونہی گیلے بال کھولے بیڈ پر لیٹ گئی۔ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ آنکھ کھلی تو کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ بس سامنے ڈریسنگ ٹیبل پر ایک کینڈل جل رہی تھی۔ جس سے لگ رہا تھا کہ کافی دیر سے جل رہی تھی اب بس آخری مراحل پر تھی۔ مناہل نے اس کی مدھم روشنی میں ٹائم دیکھا تو گھڑی ساڑھے دس بجا رہی تھی۔

"اُف! میں کتنی دیر سوتی رہی۔" مناہل کو خود پر غصہ آیا۔ بالوں کا جُوڑا سا بناتی وہ دوپٹہ شانوں پر ڈالتی گیٹ کی طرف بڑھی۔ موم بتی بھی ختم ہو چکی تھی۔ جس سے کمرے میں یکدم گہرا اندھیرا چھا گیا۔ وہ گیٹ کھولتی باہر نکل آئی۔ پورے لاؤنج میں تاریکی پھیلی تھی۔ صرف سیڑھیوں پر گیس لائٹ کی مدھم روشنی تھی۔

"اوف ہو! یہ کچن کی گیس لائٹ کیوں نہیں جلائی؟" مناہل کو خوف محسوس ہونے لگا تھا تب ہی وہ انہیں آواز لگانے لگی۔ اس کے دو تین بار پکارنے پر بھی کوئی نہیں بولا تھا۔

"کہاں گئے یہ سب؟"

"سفیان...!" اسے سیڑھیوں پر کسی کا ہیولا دکھائی دیا تو وہ ایک قدم آگے بڑھی۔ مگر اس کے پکارنے پر وہ فوراً ہی غائب ہو گیا۔ تب ہی اسے باہر ٹیرس پر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔

"علی...! زین...!" مناہل نے ڈرتے ڈرتے انہیں پکارا مگر اب بھی کوئی نہیں بولا تھا۔ ہر سو گہری خاموشی تھی۔ مناہل کو چھت پر بہت سارے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ جیسے کوئی اوپر تیز تیز چل رہا ہو۔ مناہل کا خوف سے دل بند ہونے لگا تھا۔

"کہاں ہو تم سب؟" مناہل نے پکارا اسی وقت ٹیرس پر کھلنے والا دروازہ زوردار آواز کے ساتھ بند ہوا تو مناہل اچھل پڑی۔

"ک...! کون ہے وہاں علی! زین! سفیان!" مناہل نے ہمت سے کام لیتے ہوئے ان تینوں کو ایک بار پھر پکارا۔ اب گیٹ پر ہلکی ہلکی دستک ہونے لگی تھی۔ مناہل کی ہمت اب جواب دے گئی تھی وہ پوری جان سے چیخ پڑی۔ قریب تھا کہ وہ بے ہوش ہو جاتی کہ اچانک سلمان شاہ اپنے کمرے سے باہر نکلا۔

"مناہل! کیا ہوا؟ کہاں ہو تم؟" بہت غور کرنے پر ڈائننگ کے پاس کانپتی ہوئی مناہل اسے دکھائی دی تو وہ فوراً اس کے قریب چلا آیا۔

"کیا ہوا؟" اس کے قریب آنے پر مناہل کو تھوڑی ڈھارس ہوئی۔

"وہ! وہ....! وہاں ٹیرس پر کوئی ہے۔" مناہل اس سے چپکی کھڑی تھی۔ سلمان شاہ نے محسوس کیا وہ ہولے

ہولے ہل رہی تھی۔ اس نے اس کے گرد باز وحمائل کر کے اسے مزید اپنے قریب کرلیا۔
''کون ہے وہاں؟'' سلمان شاہ نے بارعب انداز میں کہا تب ہی ٹیرس کا دروازہ کھولتا زین اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر مناہل حیران رہ گئی۔
''یہ کیا حرکت تھی؟ زین!'' سلمان شاہ نے اسے گھورا۔ اس کی بھی آنکھ لگ گئی تھی جو مناہل کی چیخ پر کھلی تھی اور وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھولتا باہر آیا تھا
''سوری یار! مگر تم دونوں کو اتنے قریب کرنے کے لئے ہمارے پاس یہی راستہ تھا۔'' زین نے سلمان کے سینے سے لگی مناہل کو دیکھتے ہوئے ''اتنے'' پر زور دیتے ہوئے شرارت سے کہا اور سیڑھیاں چڑھتا اوپر چلا گیا۔ مناہل زین کے اشارے پر شرمندہ ہوتی سلمان شاہ سے دور ہونے لگی تو اس نے مزید دوسرا ہاتھ بھی اس کے گرد حمائل کرلیا۔
''اب نہیں! بہت دور دور رہ لیں اب ان فاصلوں کو سمٹنا ہوگا۔'' سلمان نے گھمبیر لہجہ میں کہا اور گھیرا مزید تنگ کردیا۔ مناہل اس کی حرکت پر بلش ہوکر رہ گئی۔
''سلمان! آئی ایم سو.....!'' مناہل کچھ کہتی سلمان شاہ نے اس کے لبوں پر اپنی انگلی رکھ دی۔
''بس! اب سب بھول جاؤ میں سب جانتا ہوں۔ تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ آج سے ماضی میں ہوئی تمام باتوں کو فراموش کردو اور آنے والے کل کے بارے میں سوچو جو ہم دونوں کے لئے ڈھیروں خوشیاں لانے والا ہے۔'' مناہل نے حیرت سے سلمان شاہ کو دیکھا جو بہت وثوق سے اسے آنے والے اچھے دنوں کا کہہ رہا تھا۔
''ہاں! یہ سچ ہے وہ اپنے بندوں کو آزمائش میں ضرور ڈالتا ہے۔ مگر ہمیشہ انہیں اسی حال میں نہیں رکھتا۔ کڑی آزمائش کے بعد وہ انہیں اچھے دن بھی ضرور دکھاتا ہے اور میں اور تم اپنی اپنی آزمائش کے سخت دن گزار چکے ہیں۔ اس تھکا دینے والی مسافت کے بعد اچھے اور حسین دن ہمارے منتظر ہیں۔ بس یوں سمجھ لو کہ ہمیں یونہی ملنا تھا۔'' سلمان شاہ کہہ رہا تھا جبکہ وہ دل سے اپنے پروردگار کی مشکور تھی کہ اس نے اس سے سروش تو لیا مگر اس کے بدلے سلمان شاہ جیسے شخص کو اس کے مقدر میں لکھ دیا تھا۔
مناہل ابھی تک اس کے بازوؤں کے گھیرے میں تھی جیسے ہی وہ تینوں بھنگڑا ڈالتے لاؤنج میں داخل ہوئے۔ مناہل نے ایک بار پھر اس کے گھیرے سے نکلنے کے لئے مزاحمت کی۔ مگر آج تو سلمان شاہ اسے چھوڑنے کے موڈ میں ہی نہ تھا۔ وہ تینوں اُن دونوں کے گرد بھنگڑا ڈالنے لگے۔ مناہل نے ہار مانتے ہوئے شرما کر اس کے سینے میں ہی منہ چھپالیا تھا۔ اُس کی اس حرکت پر سلمان شاہ سمیت وہ تینوں بھی قہقہ لگا کر ہنس پڑے۔ سفیان نے معنی خیزی سے سلمان شاہ کو دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ ''کیوں کیسا رہا؟'' سلمان شاہ نے مسکراتے ہوئے اُن تینوں کو وکٹری کا نشان دکھایا تھا۔

☆......☆......☆

مناہل! کہاں ہو یار! جلدی کرو۔'' سلمان شاہ ڈیڑھ سالہ شازل کو گود میں اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔ آئینے کے سامنے کھڑی مناہل کو محبت پاش نظروں سے دیکھا تو شازل کو احتیاط سے بیڈ پر لٹاتا اس کی جانب بڑھا۔

''تمہیں اس قدر بناؤ سنگھار کی کیا ضرورت ہے؟ تمہارا حسن تو تمہاری سادگی میں ہی ہے۔'' آئینے میں سلمان شاہ کی شبیہ ابھری تو مناہل دلکشی سے مسکرادی۔
پیرٹ گرین کلر میں مناہل کی گوری گوری رنگت چاندنی کی مانند دمک رہی تھی۔ ساڑھی اس کے لمبے قد پر خوب بج رہی تھی۔ ہاف سلیوز میں میچنگ چوڑیاں پہنے بالوں کو پیچھے لپیٹ کر جوڑے کی شکل دی گئی تھی۔ سلمان شاہ نے اس کے حسین سراپے پر گہری نظر ڈالی اور ڈریسنگ پر رکھا نازک سا نیکلس اس کے گلے کی زینت بنادیا۔
''یو آر لوکنگ سو بیوٹی فل۔'' سلمان شاہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔
ڈیڑھ سال کی دن رات کی محنت کے بعد بالآخر علی نے اپنی محبت کو منوالیا تھا آج علی اور سبرینہ کی انگیجمنٹ تھی۔
ان کی شادی کے چھ ماہ بعد ہی زین اور شانزے کی بھی شادی ہوگئی تھی۔ یاں جی کے انتقال کے بعد سلمان سامعہ (سلمان کی بہن) کو اپنے ساتھ شہر لے آیا تھا جو اب سامعہ سفیان تھی۔ جی ہاں دو ماہ پہلے ہی سامعہ اور سفیان کی شادی ہوئی تھی۔ سلمان شاہ نے مناہل پر قانونی اور شرعی حق پاتے ہی فوراً چوہدری اسد پر کیس دائر کردیا تھا۔ ارباز سروش کے قتل کے جرم میں جیل کے اندر اپنی زندگی کے باقی دن بطور سزا گزار رہا تھا۔ جبکہ شہباز لالہ اور چاچا سائیں اپنے بھائی اور بھتیجی کی جائیداد پر ناجائز قبضہ کرنے کے جرم میں سزا کے حقدار ٹھہرے تھے۔
سلمان شاہ کو مناہل کی جائیداد سے کوئی انٹرسٹ نہ تھا۔ اللہ کا دیا اس کے پاس پہلے ہی سے اس سے کہیں زیادہ موجود تھا۔ چنانچہ سلمان ہی کے کہنے پر مناہل نے اپنی ساری جائیداد یتیم خانے اور ایدھی والوں کو ڈونیٹ کردی تھی۔ مناہل سلمان شاہ کی سنگت میں بہت خوش تھی۔ سلمان شاہ نے اسے اتنی محبت، اتنا مان دیا تھا جس کا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اس کی محبت میں اضافہ ہو رہا تھا اور مناہل اس کی سنگت میں نکھرتی ہی جارہی تھی۔ شادی کے بعد بھی وہ چاروں ویسے ہی ساتھ رہتے تھے۔ مناہل، شانزے اور سامعہ کے ساتھ خوش تھی۔ تینوں میں گہری دوستی ہوچکی تھی اور پھر چند ماہ بعد سبرینہ بھی ان کے درمیان آنے والی تھی۔
مناہل بہت خوش تھی اور اپنی زندگی سے بے حد مطمئن بھی۔ وہ اپنے خدا کا جتنا شکر ادا کرتی کم تھا کہ اس نے اسے اتنا پیار کرنے والا، اتنا چاہنے والا شوہر دیا تھا اور پھر شازل بھی تو تھا۔ انکا بیٹا۔ ان دونوں کے چمن کا پھول۔ گول مٹول سا شازل گھر بھر کا لاڈلہ تھا۔ سلمان شاہ کی تو اس میں جان اٹکی تھی۔
مناہل خوش تھی بہت خوش۔ اس کی سمجھ میں آچکا تھا کہ دشوار اور کٹھن دنوں کے بعد اچھے اور روشن دن بھی ضرور آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائش کے بعد اپنے انعام سے بھی ضرور نوازتا ہے کہ وہ اپنے بندوں سے بہت پیار کرتا ہے۔ اور انہیں زیادہ دیر تک آزمائش میں نہیں رکھتا۔

(ختم شد)

☆-☆-☆-☆-☆